ضمیمہ ا

تشریحات

(۲) لفظِ "بعد" کا استعمال توجہ طلب ہے۔ "اس کے بعد" کا محل ہے؛ یا پھر مع اضافت ہو جیسے شعر ۵ میں آیا ہے؛ یا "بعدہٗ" ہو۔ جو شعر ۱ میں ہے۔ موجودہ صورت میں یہ بہ غایت اجنبی اندازِ بیان معلوم ہوتا ہے۔

(۶) "تیغ" سے مراد "ذوالفقار" ہے۔ اِس تلوار کے سلسلے میں عام روایت اور شیعہ عقیدے میں اختلاف ہے۔ نیر مسعود صاحب نے مجھے مطلع کیا کہ: "یہ جنگِ اُحد میں رسولِ خدا نے حضرت علی کو عنایت کی تھی اور شیعی عقیدے کے مطابق آسمان سے اُتری تھی ہمراہِ جبریل۔ سورۂ الحدید میں بعض مفسرین کے مطابق "حدید" سے مراد تلوار اور شیعہ مفسرین کے مطابق مخصوص طور پر ذوالفقار مراد ہے۔"

دائرۂ معارفِ اسلامیہ (لاہور) کے اندراج کے مطابق: "ایک مشہور تلوار کا نام جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوۂ بدر میں بہ طورِ مالِ غنیمت ملی تھی۔ اِس سے پہلے اِس کا مالک ایک مشرک العاص بن مُنَبِّہ تھا، جو اِس لڑائی میں مارا گیا" [جلد دہم، ص ۴۶]۔

"یہ تلوار جنگِ بدر میں رسولِ مقبول کے ہاتھ آئی اور آپ نے حضرت علی کو عطا فرمائی۔ بعض لوگوں نے غلطی سے سمجھ رکھا ہے کہ اِس تلوار کی دو زبانیں تھیں۔ فارسی شعرا نے اِسی خیال سے ذوالفقار کو "شمشیرِ دو سر" لکھا ہے" [نور اللغات]۔

شعرا نے اِسے شمشیرِ دو زباں، شمشیرِ دو سر، شمشیرِ دو پیکر لکھا ہے، مثلاً ناصر علی سرہندی کا شعر ہے:

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

اززبانِ شکوۂ ماشکرمی ریزدعلی ⁂ گفتگوے مادوسر دارد بزنگِ ذوالفقار

مرثیوں میں تو اِس کا بہت ذکر آتا ہے، جیسے :

یہ سُن کے، دو زبانیں نکالے ہوئے چلی ⁂ سانچے میں اپنے فتح کو ڈھالے ہوئے چلی (دبیر)

مگر اربابِ لُغت نے صراحت کردی ہے کہ یہ دو زبانوں والی بات درست نہیں غیاث اللغات میں ضروری تفصیل موجود ہے۔ اُس میں قاموس کی عبارت بھی نقل کی گئی ہے اور آخر میں لکھا گیا ہے : " وانچہ نقلِ ذوالفقار شمشیرِ دو زبانہ سازند، تخیلات بر غلطِ بعضے متاخرین است۔" دُو زبانوں والی بات نے (حقیقت نہ ہونے کے باوجود) شہرت بہت پائی ہے اور اِس شہرت کا احوال یہ ہے کہ " دی میسج" کے نام سے جو مشہور انگریزی فلم بنی ہے، اُس میں بھی ذوالفقار کی دُو نوکیں دکھائی گئی ہیں۔ بہ ہر طور " ذوالفقار" کے سلسلے میں اچھے خاصے اختلافات ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد آپ کے متروکہ ہتھیاروں میں ذوالفقار کا نام بھی ملتا ہے۔ اِن تفصیلات پر گفتگو کرنے کی یہاں نہ ضرورت ہے نہ گنجائش۔ شاعر نے یہی کہا ہے کہ ذوالفقار خدائے پاک نے حضرت علی کے لیے بھیجی تھی، یہ اُس کا عقیدہ تھا ! اِس لیے شعر میں یہی مراد لی جائے گی اور اِسی کو مانا جائے گا۔

(۷) " جنگِ خیبر میں حضرت علی کی تلوار دشمن کو کاٹتی ہوئی زمین تک پہنچ گئی تھی۔ شیعی عقیدہ یہ ہے کہ زمین کو اُس ضربِ سے بچانے کے لیے جبریل نے اپنے پَر بچھا دیے تھے۔ زمین تو بچ گئی، لیکن فرشتے کے تین پَر کٹ گئے۔ انیس : غُل تھا علی کی تیغ کا سب رنگ ڈھنگ ہے ⁂ جبریل کانپتے تھے کہ خیبر کی جنگ ہے۔"

غالباً انیس ہی کا شعر ہے :

خیبر میں کیا گزر گئی روحُ الامین پر ⁂ کاٹے ہیں کس کی تیغ دو پیکر نے تین پر

دبیر کے ایک مشہور مرثیے کا شعر ہے :

شمشیر بہ کف دیکھ کے حیدر کے پسر کو ⁂ جبریل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

(۸) " خیبر۔ ایک نخلستان جو مدینۂ منورہ سے ۱۸۴ کلومیٹر (کچھ کم سوا سو میل)

273
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

شمال میں بڑی راستے سے آنے والے حجاج کی شاہ راہ پر واقع ہے.... تاریخِ اسلام میں خیبر کی شہرت سنہ۷ھ/۶۲۸ء کے غزوۂ نبوی کے باعث ہے۔ مدینے سے نکلے ہوئے بنو النضیر کے یہودی یہاں آ بسے تھے۔ محاصرۂ خندق اِنھی کی انگیخت پر ہوا تھا۔ یہ مسلمانوں کی نئی مملکت کے لیے مستقل خطرہ بن گئے تھے۔ اِنھی سے نپٹنے کی خاطر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قریش کی منہ مانگی شرطوں پر صلح کی تھی..... اُس معاہدے کی تکمیل کے بعد.... پندرہ سو کی جمعیت لے کر آپ مدینے سے روانہ ہوئے..... پھر اندرونِ شہر کا حلقہ قموص فتح ہوا..... اُس کی فتح میں حضرت علی نے خاص کارگزاری دکھائی" [دائرۂ معارفِ اسلامیہ، جلد نہم، ص ۶۶-۷۲]۔ خیبر کی جنگ کی تفصیلات اور دیگر ضروری تفصیلات دائرۂ معارف میں یک جا کر دی گئی ہیں، اُنھیں دیکھا جا سکتا ہے۔

•خیبر کی جنگ شیعوں کے نزدیک بعض حیثیتوں سے بڑی اہم ہے۔ قلعۂ خیبر فتح کرنے میں کئی اصحابِ رسول ناکام رہے۔ آخر رسول نے اعلان کیا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو کرّار اور غیر فرّار ہے (وغیرہ)۔ دوسرے دن حضرت علی کو علم ملا اور آپ نے خیبر کے سرداروں مرحب، عنتر، حارث وغیرہ کو قتل کر کے قلعہ فتح کر لیا۔ اِس معرکے میں آپ کے پاس ذو الفقار کے سوا کوئی ہتھیار یا ڈھال نہیں تھی۔"

(۹) "نادِ علی بھی جنگِ احد میں نازل ہوئی۔ اُس جنگ میں مسلمانوں کو فتح کے بعد شکست ہو گئی تھی۔ حضرت علی نے بگڑی ہوئی لڑائی کو سنبھالا۔ غیبی آواز " لافتیٰ اِلّا علی لاسیف اِلّا ذو الفقار" بھی اُسی دن سُنائی دی تھی۔ "نادِ علی" کی عبارت یہ ہے: نَادِ عَلِیًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عَوْنًا لَکَ فِی النَّوَائِبِ کُلُّ هَمٍّ وَ غَمٍّ سَیَنْجَلِی بِنُبُوَّتِکَ یَا مُحَمَّدُ بِوَلَایَتِکَ یَا عَلِیُّ یَا عَلِیُّ یَا عَلِیُّ۔" یہ "نادِ علی صغیر" بھی کہلاتی ہے۔ "نادِ علی کبیر" میں یہ سب فقرے موجود ہیں۔ اِن کے علاوہ بھی عبارتیں ہیں۔ "نادِ علی" حاجت برآری کی مختلف صورتوں کے لیے پڑھی جاتی ہے، خطروں سے حفاظت کے لیے خاص طور پر۔

(۱۰) "فتحِ مکہ کے بعد رسول اللہ نے خانۂ کعبہ کے بُتوں کو منہدم کر دیا۔ ہُبل کا بُت اونچے پر تھا، رسول نے حضرت علی کو اپنے دوش (کاندھے) پر چڑھا کر اُسے گروایا۔"

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:38
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

(۱۳) دوسرے مصرعے میں "انسان کے آب و گل" اور "انسان کی آب و گل" دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ اردو لغت میں "آب و گل" کے تحت اِس شعر کو بھی مثالیہ اشعار کے تحت لکھا گیا ہے؛ اُس میں دوسرا مصرع اِس طرح ہے: "عشق انساں کے آب و گل میں ہے"۔ اِس طرح اِس مرکّب کا مذکّر ہونا متعیّن ہوتا ہے؛ لیکن ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں جس کی بنا پر قطعیت کے ساتھ کہا جا سکے کہ اِس شعر میں "انسان کے آب و گل" پڑھنا چاہیے۔

لُغات کا احوال یہ ہے کہ نور، آصفیہ اور امیر اللّغات میں اِسے صرف مونث لکھا گیا ہے۔ معین الشعرا میں بھی مونث ہے۔ جلیل مانک پوری [تلمیذِ امیر مینائی] نے اپنی کتاب تذکیر و تانیث میں اِسے مونث لکھا ہے اور اِس پر یہ حاشیہ بھی لکھا ہے: "بعض شعرا مثل ذوق و انشا نے اِس کو مذکّر بھی باندھا ہے، مگر اب بالاتفاق مونث ہے"۔ اُردو لغت میں اِسے "مذکّر و مونث" لکھا گیا ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ مرکّب بہ لحاظِ تذکیر و تانیث مشترک الفاظ میں شامل ہے۔ اُصولاً میں قطعیت کے ساتھ اِس شعر میں "کی" یا "کے" کا تعیّن نہیں کر سکتا۔ شوق کے یہاں مجھے ایسی کوئی مثال نہیں ملی جس کی بُنیاد پر یہ کہا جا سکتا کہ اُنھوں نے اِس کو مذکّر باندھا ہے یا مونث۔ زہرِ عشق کے اِس مصرعے میں بھی یہ مرکّب آیا ہے: الفت انسان کی آب و گل میں دی [۱۲۷۳] لیکن یہاں بھی قطعیت کے ساتھ تعیّن نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ "انساں کے" بھی پڑھ سکتے ہیں۔ محض اِس بنا پر کہ بیشتر لُغات میں، خاص کر نور اللّغات اور امیر اللّغات میں [جو لکھنؤ کے اہم لغات ہیں] اِسے مونث لکھا گیا ہے، میں نے اِن دونوں شعروں میں "انساں کی آب و گل" کو مرجّح مان لیا ہے۔ اِسی انداز کا ایک مرکّب "رنگ و خوبی" ہے۔ اِس کے لیے دیکھیے اِسی ضمیمے میں شعر ۱۲۶۹۔

(۲۴) دوسرے مصرعے میں [قدیم طریقۂ کتابت کی وجہ سے] "اپنی طرز" بھی پڑھا جا سکتا ہے اور "اپنے طرز" بھی پڑھ سکتے ہیں۔ لفظِ "طرز" کو تذکیر و تانیث کے لحاظ سے آصفیہ و نور میں مختلف فیہ لکھا گیا ہے، البتّہ نور میں یہ صراحت بھی کر دی گئی ہے کہ "ترجیح تذکیر کو ہے"۔ جلیل نے اپنی کتاب تذکیر و تانیث میں سے اِسے مختلف فیہ لکھا ہے، مگر یہ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:38
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

بھی لکھا ہے : "اب زیادہ تر تانیث کے ساتھ مستعمل ہے" [ص ۲۲۹]۔ اِس سلسلے میں داغ کے ایک قول کا حوالہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ داغ کے شاگرد احسن مارہروی نے اُن سے پوچھا تھا :

> "آپ نے ہم لوگوں کو ہدایت بھی کی ہے کہ "طرز" مونث لکھا کرو اور خود بھی اکثر مونث لکھا ہے، مگر آفتابِ داغ میں ایک جگہ مذکر ہے :
>
> نہیں ملتا کسی مضموں میں ہمارا مضموں
> طرز اپنا ہے جُدا، سب سے جدا لکھتے ہیں
>
> اگر اِس میں کاتب کی غلطی نہیں ہے تو یہ بات ہم لوگوں کے ثبوت کو کافی ہے کہ خواہ مونث لکھیں یا مذکر" [انشائے داغ، ص ۱۳۶]۔

[انشائے داغ میں دوسرا مصرع اِس طرح چھپا ہوا ہے "طرز اپنا ہے حباب سے سب سے جدا لکھتے ہیں"۔ یہ کتابت کی غلطی ہے۔ "طرز اپنا ہے جدا" ہونا چاہیے۔ اِسی نسبت سے مصرع کو صحیح متن کے ساتھ لکھا گیا ہے]۔ داغ نے اِس کے جواب میں لکھا تھا :

> "یہ لکھنؤ والوں نے اصلاح دے کر چھاپا ہوگا۔ میں نے جو اِس وقت آفتابِ داغ دیکھا تو اُس میں "طرز اپنی ہے جدا" لکھا ہے۔ "طرز" مونث ہے، ہرگز مذکر نہیں" [ایضاً ص ۱۳۵]۔

اِس سے یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ داغ کے نزدیک "طرز" لکھنؤ میں مذکر تھا۔ نسخۂ ع میں "اپنی طرز" ہے؛ لیکن میں نے "اپنے طرز" کو اِس بنا پر مرجح قرار دیا ہے کہ دو شعروں میں یہ لفظ بہ تذکیر آیا ہے :

میں تو کہتے بھی کچھ، ہوں شرماتا
طرزِ دُنیا مجھے نہیں آتا [۲۱۱]

کرکے دریافت اُن کا طرزِ مزاج　　لیں گے در پردہ یہ بھی استمزاج [شعر ۱۵۲]

اِن اشعار میں شوق نے واضح طور پر "طرز" کو مذکر باندھا ہے، اِس لیے اِس شعر میں بھی

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:39
rekhta.org/ebooks/masnaw
3
مثنویات شوق

اسے بہ تذکیر لکھا جائے گا۔ ع میں "اپنی طرز" ہے۔

(۲۷) ف میں دوسرا مصرع یوں ہے: "سب کے سب تھے خاندان عالی سے"۔ "تھے" کا اضافہ بہ ظاہر کرشمۂ کتابت ہے۔ کاتب نے یا مصحح نے یہ خیال کیا ہوگا کہ "تھے" کے بغیر یہ مصرع زبان کے لحاظ سے محلِ نظر معلوم ہوتا ہے۔ یہ خیال کچھ ایسا بے جا نہیں تھا، لیکن اُس کے نتیجے میں یہ اضافہ ضرور بے جا طور پر ہوا ہے کہ مصرع بحر سے خارج ہو گیا ہے۔ ل اور ع میں "تھے" موجود نہیں۔ یہاں میں نے اِنھی کی مطابقت اختیار کی ہے۔

(۳۲) "نوچندی: چاند کی پہلی جمعرات۔ وہ جمعرات جو چاند کے دوسرے دن واقع ہو۔ اِس رات لکھنؤ میں کچھ لوگ شاہ مینا کی درگاہ اور کچھ لوگ کربلا جاتے ہیں۔ دونوں جگہ حسینوں کا مجمع ہوتا ہے۔ سحر: اِس مہینے کی مبارک ہو مجھے نوچندی ∴ ساتھ درگاہ میں یہ بندۂ درگاہ بھی ہو۔ نوچندی آئی دھوم سے، چل تو بھی مصحفی ∴ جاتی ہیں کربلا کو حسینوں کی ڈولیاں" [نور اللغات]۔ "شیعہ حضرات کے یہاں جمعرات (شبِ جمعہ) کو ماتم کرنے، درگاہوں اور کربلاؤں میں نذر نیاز کے لیے جانے کا دستور ہے، نوچندی جمعرات کو خاص طور پر۔ رجب کی نوچندی سب سے زیادہ دھوم دھام کی ہوتی ہے۔ نوچندی کے موقع پر درگاہوں، کربلاؤں میں بڑا مجمع ہو جاتا ہے۔ مجمعے میں عورتوں کی کثرت ہوتی تھی۔ طوائفیں بھی بہت جاتی تھیں، اِس لیے تماشبین حضرات بھی منڈلاتے تھے۔ عورتیں زیادہ تر ڈولیوں پر جاتی تھیں"۔ ——— شوق کی دونوں مثنویوں فریبِ عشق اور بہارِ عشق سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین و بیگمات بڑی تعداد میں آیا کرتی تھیں اور یہ مقامات اُن دنوں میں تماشبینوں اور عیّاش فطرت لوگوں کی تفریحِ طبع کے پسندیدہ مقامات بن جاتے تھے۔

(۳۳) لکھنؤ میں متعدد کربلائیں تھیں [مثلاً کربلائے امین الدولہ، کربلائے عظیم اللہ خاں، کربلائے الماس علی خاں وغیرہ] لیکن جب صرف "کربلا" کہا جائے تو اُس سے "کربلائے خدا بخش" مراد ہوتی ہے، جو اب "تال کٹورے کی کربلا" کہلاتی ہے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:39
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

"کربلائے میر خدابخش تیسری کربلا ہے جو عہدِ غازی الدّین حیدر ۱۲۳۲ھ میں بنی .... غدر ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے اعلان کیا کہ تمام تعزیے کربلا میر خدابخش جائیں، اور سب کربلاؤں میں بہ یک وقت پولیس کا انتظام نہیں ہوسکتا۔ یہ حکم اِس کربلا کی مرکزیت اور دوسری کربلاؤں کی بے رونقی کا سبب ہوا۔ شیعہ سنّی، مسلم و ہندو سب اپنے تعزیے دسویں محرّم اور ۲۰ صفر کو اِسی جگہ لاتے تھے۔ ۱۹۰۷ء سے شیعہ سنّی فسادات کے موقع پر سنّیوں نے اپنی دوسری کربلا "پھول کٹورا" میں قرار دی...." [تاریخِ لکھنؤ، از سیّد آغا مہدی، ص ۱۸۵]۔ "درگاہ" سے مراد درگاہِ حضرت عبّاس ہے، جہاں زیارت کرنے والوں کا بڑا مجمع ہوتا تھا، خاص کر نوچندی میں۔ "نواب سعادت علی خاں کے وقت سے یہ دستور ہوگیا تھا کہ جو بادشاہ تخت پر بیٹھتا، وہ اِس آستانۂ مبارک پر جلوس کے ساتھ ضرور حاضر ہوتا" [سیّد آغا مہدی، تاریخِ لکھنؤ، ص ۱۱۶]۔

نجم الغنی خاں نے اِس کے متعلق لکھا ہے: "مرزا فقیر انام ایک شخص نواب آصف الدّولہ کے عہد میں تھا۔ اُس نے ایک علم دریائے گومتی کے کنارے پوشیدہ دفن کردیا اور شہر کے لوگوں سے یہ بات ظاہر کی کہ مجھ کو خواب میں یہ الہام ہوا ہے کہ حضرت عبّاسؓ کے ہاتھ میں جو علم معرکۂ کربلا میں تھا، وہ فلاں مقام پر دفن ہے۔ تو اُس کو نکال لے ..... جگہ کو کھود کر وہ علم نکالا جو بھرت کا رشتہ خہ تھا اور گھر میں کہ رستم نگر میں واقع تھا، نہایت تعظیم کے ساتھ رکھا..... نواب آصف الدّولہ ہزار جان و دل سے شہدائے کربلا کے جاں نثار تھے، اُس علم کی زیارت کو آنے لگے اور ایک گنبد اینٹوں کا تعمیر کرا دیا..... ہر جمعرات کو خصوصاً نوچندی کی جمعرات کے دن اُس درگاہ میں بڑا جلسہ منعقد ہوتا تھا۔ زیارت کرنے والوں کے سوا ہزاروں تماشائی اور شہر کی پری پیکر طوائفیں بن ٹھن کر جمع ہوتی تھیں۔ سلطنت کے قیام تک یہ جلسہ بڑی دھوم دھام سے رہا.... واجد علی شاہ ہنگامِ روانگیِ کلکتہ اپنا تاج و تلوار درگاہ میں چڑھا گئے تھے کہ ...... اگر ملک مسترد ہوگا تو اپنے سر پر تاج اِس درگاہ میں آکر پہنوں گا اور تلوار کمر سے لگاؤں گا۔ ایّامِ غدر میں یہ دونوں چیزیں بھی تلف ہوگئیں" [تاریخِ اودھ، سوم، ص ۳۰۲]۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:39
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

(۳۴) امام باڑا حسین آباد، محمد علی شاہ [شاہِ اودھ] نے بنوایا تھا۔ اِس امام باڑے کی نسبت سے اُس محلّے کا نام "حسین آباد" پڑ گیا جہاں یہ امام باڑا واقع ہے اور اِس شعر میں وہی محلّہ حسین آباد مراد ہے۔ محمد علی شاہ نے امام باڑے کے سامنے ایک سیدھی سڑک نکالی تھی جو لکھنؤ کی سب سے چوڑی سڑک تھی۔ اِس سڑک پر روز شام کو "گذری بازار" لگتا تھا۔ "غالباً ہر قمری مہینے میں تیرھویں کو یہاں میلا لگتا تھا۔" "جلسہ" سے مراد کوئی محفل یا تقریب نہیں، بلکہ میلا مراد ہے۔ یہ میلا حسین آباد کے تالاب پر لگتا تھا۔ میاں دلگیر نے ایک مثنوی حسین آباد اور ایک مثنوی اِس تالاب کی تعریف میں کہی ہے، اُس میں "بیانِ میلۂ تالاب" کی سرخی کے تحت یہ اشعار لکھے ہیں..... شوق کے شعر سے البتہ میلے کی تاریخ کا تعین کیا جا سکتا ہے" [مکتوبِ نیّر مسعود]۔ اِس میلے میں پری پیکروں کا جس طرح ہجوم ہوا کرتا تھا اُس کا کچھ اندازہ شوق کے اِن اشعار سے بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے:

دو پہر رات جب گزرتی تھی ڈولی پر ڈولی پھر اُترتی تھی (۳۶)
صحبتِ عیش گرم رہتی تھی کچھ نہ آپس میں شرم رہتی تھی (۳۷)
رات ہنس بول کر گزارتے تھے صبح سب اپنے گھر سدھارتے تھے (۳۸)

ف میں پہلے مصرعے میں "تیورین" ہے۔ بہ ظاہر یہ غلطیِ کتابت معلوم ہوتی ہے۔ ل اور ع میں "تیرھویں" ہے اور یہی برمحل ہے۔

(۳۹) محض احتیاطاً یہ صراحت کی جاتی ہے کہ ف میں "مہینا" [مع الف] ہے۔

(۴۴) دوسرے مصرعے کے متعلق یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ "مثال" چوں کہ مؤنث ہے، اِس لیے "مثال کو مل کی" ہونا چاہیے تھا۔ اِس سلسلے میں یہ بات ذہن میں رہنا چاہیے کہ تقدیم و تاخیرِ الفاظ کی ایسی صورتوں میں "کی" کے بجائے "کے" بھی آتا ہے مثلاً:

معرفت میں تیری ذاتِ پاک کے اُڑتے ہیں ہوش و حواس ادراک کے

آتش [دیوانِ آتش، مطبعِ علی بخش خاں، ۱۲۶۸ھ، ص ۲۸۲]۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:39
rekhta.org/ebooks/masnaw

"معرفت" مونث ہے، لیکن یہ لفظ اپنے مضاف الیہ سے پہلے آیا ہے، یوں "کے" آسکتا ہے۔ یا جیسے: طرف قبلے کے۔ لفظوں کی ترتیب نہ بدلتی تو "قبلے کی طرف" کہا جاتا۔ یا جیسے: "بعد رسم چوتھی چالے کے" [فسانۂ عجائب، مرتبۂ راقم الحروف، ص ۱۰۶]۔ یہاں اصلاً جملہ تھا: چوتھی چالے کی رسم کے بعد۔

شوق کے مندرجۂ ذیل اشعار میں بھی تقدیم و تاخیرِ الفاظ کی وجہ سے ایسی ہی صورتِ حال سامنے آتی ہے:

بوٹی بوٹی میں درد ہے اُن کے — رنگ چہرے کا زرد ہے اُن کے (ش ۱۱۹۵)
جان پر بن رہی ہمارے ہے — مر رہا تو جگت کے مارے ہے (ش ۱۰۷۱)

اردو کی اضافی ترکیبوں میں جب لفظوں کی ترتیب اس طرح بدل جاتی ہے، یعنی مُضاف اس انداز سے پہلے آجاتا ہے، تو ایسی صورتوں میں علامتِ اضافت بدل جاتی ہے، یعنی اُس کے آخر میں "ی" کی جگہ "ے" آجاتی ہے۔ "مشال کوئل کے" کی بھی یہی صورت ہے۔

طلبہ کے ذہن میں اِس سلسلے میں یہ بات بھی رہنا چاہیے کہ ایسی مثالوں کے تحت بعض ایسے جملے بھی ہوتے ہیں جن میں اگر "کی" لایا جائے، تو بہ غایت اجنبی پن کا احساس ہوگا۔ مثلاً یہی مصرع۔ اِسے اگر یوں لکھا جاتا: "کو کتے تھے مشال کوئل کی" تو خواہ قواعد کے لحاظ سے جواز نکل آتا، مگر بیان کا حُسن ختم ہو جاتا۔ یا جیسے یہ مصرع: جان پر بن رہی ہمارے ہے۔ اِسے اگر یوں لکھا جائے: جان پر بن رہی ہماری ہے۔ تو بیان کا حُسن ختم ہو جائے گا۔ ان دونوں مصرعوں کے مقابلے میں مثلاً یہ مصرع: بوٹی بوٹی میں درد ہے اُن کے؛ اِس میں اگر "اُن کی" لکھا جائے، یعنی، بوٹی بوٹی میں درد ہے اُن کی، تو بُرا نہیں معلوم ہوگا۔

(۶۳) کربلا اور درگاہ کے لیے دیکھیے اِسی ضمیمے میں شعر ۳۲ اور ۳۳۔

(۷۱) "ماہر" کے معنی "واقف، آگاہ، جاننے والا" بھی ہیں [آصفیہ]۔ اِس شعر میں یہ لفظ اِنھی معنوں میں آیا ہے۔ آصفیہ میں سند مندرج نہیں، اِس شعر کو

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

بہ طورِ سند پیش کیا جا سکتا ہے۔

(۷۳) ف میں "نام وگھر" [معِ واوِ عطف] ہے۔ نول کشوری نسخے میں اور ع میں "نام گھر" ہے۔ چکبست نے گلزارِ نسیم کی بحث کے سلسلے میں اِس شعر کو بھی مثالیہ اشعار کے تحت پیش کیا تھا اور "نام وگھر" کے متعلق یہ وضاحت بھی کی تھی کہ شاعر نے "نام ونشان" کے بدلے "نام وگھر" لکھا ہے [معرکۂ چکبست وشرر، ص ۱۲۲]۔ میں نے اپنے مرتبہ نسخۂ گلزارِ نسیم [شائع کردۂ انجمن ترقیِ اردو ہند، دہلی] کے ضمیمۂ تشریحات میں اِس شعر کے متعلق یہ لکھا تھا کہ کلیاتِ شوق مرتبۂ شاہ عبدالسلام میں "نام گھر" ہے اور یہی مرجّح ہے۔ اُس وقت میرے سامنے فریبِ عشق کا یہ نسخہ، یعنی نسخۂ ف نہیں تھا، صرف نسخۂ ع تھا اور اُسی کی بنیاد پر یہ رائے ظاہر کی گئی تھی۔ چکبست نے اِس شعر میں "نام وگھر" لکھا ہے، اِس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے سامنے یا تو فریبِ عشق کی یہی اشاعت تھی، یا پھر یہ کہ جو دوسرا نسخہ تھا، اُس میں بھی "نام وگھر" تھا۔

ایسی صورتوں میں یہ کہنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ کون سی صورت منشاے مصنّف کے مطابق ہے۔ مصنّف نے اِسی طرح لکھا تھا، یا کتابت میں واو کا اضافہ ہوگیا ہے۔ قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا میرے لیے ممکن نہیں۔ دونوں صورتیں برابر کی حیثیت رکھتی ہیں، ایسا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں جس کی بنا پر ترجیح کا تعین کیا جا سکے؛ اِس بنا پر اب میں نے اِسی کو مناسب خیال کیا ہے کہ نسخۂ ف کے متن کی پابندی کو ترجیح دی جائے۔ شاید یہ کہا جائے کہ "نام وگھر" بہت اجنبی معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ اب اجنبی معلوم ہوتا ہے، مگر زمانۂ مصنّف میں یہ صورت نہیں تھی۔ اُس زمانے میں ہر طرح کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً حالی نے مسدس میں لکھا ہے :

یہی جھینکنا کو بہ کو، گھر بہ گھر ہے   پسر کو ٹھکانا، نہ بیٹی کو بر ہے

اب "گھر بہ گھر" کون لکھے گا، مگر حالی نے لکھا ہے۔ فسانۂ عجائب اُسی عہد کی تصنیف ہے، اُس میں ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں، مثلاً : "سیکڑوں مرد و رنڈی بے کہے ہمراہ ہوئے" [فسانۂ عجائب، مرتبۂ راقم الحروف، شائع کردۂ انجمن ترقیِ اردو ہند،

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:40
rekhta.org/ebooks/masnaw

ہلی، ص ۱۸۴]۔ اب "مرد و رنڈی" کون لکھے گا۔ اِسی طرح: "اپنے زمرۂ کنیزوں میں ،سرفراز کرو" [ص ۱۹۰]۔ "مگر تنبیہِ غافلوں کو" [ص ۲۲۹]۔ اب "زمرۂ کنیزوں" اور "تنبیہِ غافلوں" ون لکھے گا ۔۔ اِسی بنا پر اِس شعر میں ف کے متن کو برقرار رکھا گیا ہے۔۔ اِسی مثنوی فریبِ عشق] کے شعر ۱۲۳ میں "پھول و پھل" ہے۔ اُس کی بحث وہاں آئے گی۔

(۷۴) یوں تو ہر مہینے کی نوچندی [چاند کی پہلی جمعرات] کو درگاہوں اور کربلاؤں خاص کر درگاہِ حضرت عباسؓ اور کربلائے تال کٹورا] میں عقیدت مند جایا کرتے تھے ور شوقین حضرات بھی] مگر رجب کے مہینے کی نوچندی میں بہت زیادہ اہتمام کیا ،تا تھا اور بہت مجمع ہوا کرتا تھا۔ خواتین خاص کر بہت آیا کرتی تھیں۔ بات یہ ہے کہ .جب کا مہینا شیعہ حضرات کے لیے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ولادتِ حضرت علیؑ، ام محمد باقرؑ، امام علی نقی، امام محمد تقی، حضرت علی اصغر؛ عقدِ جنابِ فاطمہ و حضرت علی؛ ندِ امام جعفر صادق [۲۲ ویں کے کونڈے] فتحِ قلعۂ خیبر، بعثتِ رسول، شبِ معراج؛ شہادتِ امام علی نقی، شہادتِ امام موسیٰ کاظم، سفرِ امام حسین وغیرہ کا تعلق اِسی مہینے ے ہے۔ اِس کی نوچندی کے موقع پر درگاہوں، کربلاؤں میں بڑا مجمع ہو جاتا ہے۔ مجمعے میں عورتوں کی کثرت ہوتی تھی۔ طوائفیں بھی بہت جاتی تھیں۔ تماش بین حضرات بھی بہت منڈلاتے تھے۔"

اِس شعر کے دوسرے مصرعے میں "رجب کی اخیر نوچندی" آیا ہے۔ یہ ٹکڑا اِس کے بعد اِس شعر میں بھی اِسی انداز سے آیا ہے:

پاگئی جب قرار یہ تدبیر آئی نوچندی بھی رجب کی اخیر (۹۳)

کوشش کے باوجود میں یہ معلوم نہیں کر سکا کہ "رجب کی اخیر نوچندی" کا کیا مطلب ہے۔ نوچندی تو ہر مہینے میں [وہ رجب ہو یا کوئی اور مہینا ہو] ایک ہی ہوتی ہے جو چاند کی پہلی جمعرات کو واقع ہوتی ہے۔ اگر کوئی صاحب اِس سلسلے میں کچھ رہ نمائی فرما سکیں تو ممنون ہوں گا [لیکن نری قیاس آرائی نہ ہو، یا ہما شما کا قول نہ ہو۔ قابلِ اعتماد معلومات ہونا چاہیے]۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

(۸۷) ف، ل، ع ، سب میں "فقرے پہ" ہے۔ بہ ظاہر "پہ" کے بجائے "میں" کا محل معلوم ہوتا ہے۔ اصل متن کو برقرار رکھا گیا ہے اور یہ مان لیا گیا ہے کہ یہ مصنف کا اپنا انداز ہے۔ شعر ۱۱۷ میں بھی یہی صورت ہے : ان سے مل کر نہ جی گنوائے کبھی :: مرد کے فقرے پہ نہ آئے کبھی۔ شعر ۹۸۵ میں "فقرے میں" بھی آیا ہے ، بادلی ہو جو تیرے فقرے میں آئے۔

(۹۸) ف میں پہلے مصرعے میں "یکبار" ہے اور دوسرا مصرع اس طرح ہے : "لیے آتے ہیں ایک پنس کہار"۔ اس میں "پنس" کو معِ نونِ ساکن پڑھنا ہوگا ، مگر یہ معِ نونِ متحرک "پنَس" ہے۔ یہ لفظ شوق کی مثنویوں میں متعدد مقامات پر آیا ہے اور ہر جگہ "پنَس" یا "رفنَس" معِ نونِ متحرک ہے۔ معِ نونِ ساکن کسی ایک جگہ بھی نہیں ملتا۔ اس بنا پر یہی بات ذہن میں آتی ہے کہ "پنس" کے بعد "کو" لکھنے سے رہ گیا ہے۔ نول کشوری نسخے اور ع میں "لیے آتے ہیں اک پنس کو کہار" ہے۔ یہی بہتر صورت معلوم ہوتی ہے۔ اس بنا پر دوسرے مصرعے میں "کو" کا اضافہ کیا گیا ہے۔ البتہ پہلے مصرعے کے "یکبار" کو برقرار رکھا گیا ہے۔ ع میں "اک بار" ہے ، مگر نول کشوری نسخے میں ف کے مطابق "یکبار" ہے۔

(۱۰۶) ف میں دوسرا مصرع اسی طرح ہے۔ [ع میں بھی اسی طرح ہے] پہلے مصرع کی رعایت سے بہ ظاہر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ دوسرے مصرعے میں "جن سے" کا محل ہے! مگر میں نے متن کو بدلنا نہ ضروری سمجھا نہ مناسب ، اس بنا پر کہ "جس سے" کو ذرا سی تاویل کے ساتھ مفیدِ مطلب کہا جا سکتا ہے۔ یہ مان لیا جائے کہ "شگوفہ و گل" سے جو کیفیت باغ میں پیدا ہو گئی ہے اور جسے شاعر نے "لطف" سے تعبیر کیا ہے ، "جس سے" کا تعلق اُس سے ہے۔ میں عمومی طور پر اِس کا لحاظ رکھتا ہوں کہ تعیّنِ مفہوم کی اگر کوئی صورت نکل سکتی ہو تو اُس صورت میں قیاس کو یا پسندیدگی کو دخل انداز نہ ہونے دیا جائے۔ اصل متن سے انحراف کو اُسی صورت میں روا رکھا جائے جب تعیّنِ مفہوم کی کوئی بھی مناسب صورت نہ نکل سکے ، یا یہ کہ واضح طور پر کتابت کی غلطی ہو۔ ل میں "ہے عجب لطف پر" ہے۔

(۱۱۰) ف میں دوسرا مصرع اسی طرح ہے۔ نول کشوری نسخے میں بھی اسی طرح ہے۔ ع میں یوں ہے : "سبز مخمل پہ جیسے مروارید" یعنی "سیہ" کی جگہ "سبز" ہے۔ اگرچہ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

8:40
rekhta.org/ebooks/masnaw

ن لیا جائے کہ اِس شعر میں سبزے کو "مخمل" کہا گیا ہے، تب تو یہ ماننا پڑے گا کہ
سبز مخمل" ہونا چاہیے اور "سیہ" کو لازماً کتابت کی غلطی مان لیا جائے گا۔ یعنی یہ
ن لیا جائے کہ شاعر کا مقصود محض سبزے کی تشبیہ ہے اور وہ ہری گھاس کی شادابی
بیان کر رہا ہے۔ لیکن شعر میں بیان کا ایک اور پہلو بھی سامنے آتا ہے۔ یہ بھی تو مانا
سکتا ہے کہ اُس کا مقصد سبزے کی تشبیہ نہیں، اُس کا مقصود ہے سبزے پر چمکنے
لے پانی کے قطروں سے پیدا ہونے والے حُسن کا بیان، چمک اور درخشندگی کا
ن۔ اِسی لیے وہ پہلے مصرعے میں لفظِ "آب پاشی" لایا ہے، ورنہ اِس لفظ کی یہاں
ضرورت تھی۔ سبزے کی مخمل سے تشبیہ تو اِس کے بغیر مکمل ہو سکتی تھی۔ اِس پہلو
نظر رکھی جائے تو لفظِ "سیہ" برمحل نظر آئے گا۔ یعنی آب پاشی کے نتیجے میں سبزے
پانی کے قطرے اِس طرح درخشاں تھے جیسے سیاہ مخمل پر [سفید] موتی چمکتے ہیں۔
نے اِسی بنا پر "سیہ" کو "سبز" سے بدلنا ضروری نہیں سمجھا۔

(۱۱۱) ف میں پہلا مصرع یوں ہے: "پھول پھول ایک اُس میں بوقلموں"۔
کشوری نسخے میں بھی یہی ہے۔ ع میں مصرع یوں ہے: "پھول ایک ایک اس میں بوقلموں"۔
ں کا متن بہ ظاہر قابلِ قبول نہیں معلوم ہوتا۔ "پھول پھول ایک" واضح طور پر درست
ں معلوم ہوتا، ایک ایک پھول کا محل ہے۔ اِسی لیے یہاں ع کے مطابق "پھول
ایک لکھا گیا ہے۔ یہ مان لیا گیا ہے کہ ف کے متن میں کتابت کی غلطی ہے۔

(۱۳۳) ف میں "پھول و پھل" ہے۔ ل، ع، پھول پھل۔ پھول پتی، پھول پتے،
ل بوٹے، پھول پات، پھول پان؛ یہ سارے کلمات واوِ عطف کے بغیر ہی
یر و تقریر میں آتے ہیں۔ یہی صورت "پھول پھل" کی ہے۔ ایسی ایک مثال
ں نہیں ملتی جس میں ایسا کوئی مرکب مع واوِ عطف آیا ہو۔ اگر یہاں یہ مان لیا جائے
"پھول و پھل" میں واو کا اضافہ کرشمۂ کتابت سے تعلق رکھتا ہے تو کچھ بے جا نہیں
وم ہوگا۔ میں بہت کچھ غور کرنے کے بعد اِسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہاں "پھول پھل"
ا چاہیے۔ اِس میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ کلمہ ایک عورت کی زبان سے ادا

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:40
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

ہورہا ہے، اِس لحاظ سے بھی "پھول پھل" مرجح نظر آئے گا۔ اِسی بنا پر اِسے "پھول پھل" لکھا گیا ہے۔ "نام وگھر" (شعر ۳۵ے) پر قیاس کرنا یہاں بے جوڑ بات ہوگی، یوں کہ دونوں مرکبوں کی صورت اور ساخت الگ الگ ہے اور محلِ استعمال بھی۔ یہ مان لینا بہ ظاہر بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے کی لکھنوی خواتین کی زبان سے "پھول پھل" کے بجائے "پھول و پھل" ادا ہو۔ اور یہ مرکب اِس شکل میں تو عام زبان میں کبھی نہ تھا اور نہ ہے۔

(۱۳۵) "باغِ سبز دکھانا" بہ طورِ محاورہ نور اللغات میں موجود ہے۔ معنی ہیں: "دم دینا، فریب دینا، دھوکا دینا۔" سند میں انشا کا یہ شعر لکھا گیا ہے :

گلِ باغ وخندۂ زخم سے پڑے اور سیکڑوں آبلے
مجھے باغِ سبز دکھائے ہے الم فراق میں باغِ دل

[کلامِ انشا میں "دکھاوے" ہے، ص ۱۲۹]۔ اثر لکھنوی نے نور کے اِس اندراج پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

"محاورہ سبز باغ دکھانا ہے نہ کہ باغِ سبز دکھانا — شعر، محاورے میں تغیر کا جواز پیش نہیں کرسکتا" [فرہنگِ اثر، ص ۱۷۵]۔

مطلب یہ ہے کہ "باغِ سبز دکھانا" محاورہ نہیں؛ لیکن اثر صاحب کا یہ قول قابلِ قبول نہیں۔ انشا اور شوق کے اشعار میں یہ بہ طورِ محاورہ نظم ہوا ہے اور یہ دو سندیں کافی ہیں اِس کو ماننے کے لیے۔ اِس سلسلے میں یہ بات سامنے رہنا چاہیے کہ "باغِ سبز" فریب کے معنی میں ملتا ہے۔ یہ نور و آصفیہ میں تو شامل نہیں ہوسکا، لیکن بحر لکھنوی کے اِس شعر میں موجود ہے :

فریبِ رزق میں دانا بھی ہو تو منہ کی کھاتا ہے
کہ باغِ سبز ہے ہر آدمی کو کھیت گیہوں کا [ریاضِ البحر، ص ۱۳]

"باغِ سبز" سے "باغِ سبز دکھانا" بہ طورِ محاورہ مستعمل ہوگیا۔ انشا اور شوق کے شعر بلا تکلف سند میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔ [ہاں اردو لغت میں "باغِ سبز" موجود ہے]۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

(۱۴۸) "میل" مذکر ہے اور اِس میں کچھ اختلاف نہیں [نوراللغات، آصفیہ، تذکیر و تانیث از جلیل مانک پوری]۔ اِس شعر میں یہ واضح طور پر بہ تانیث آیا ہے۔ تانیث کی کوئی اور مثال میری نظر سے نہیں گزری۔

(۱۵۰) "تیّجی سمجھ لینا" کوئی محاورہ نہیں ["تیّجا بنانا" ضرور محاورہ ہے]۔ مصرعے کی قرأت دو طرح ہو سکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ "تیّجی، سمجھ لوں گی" یعنی تیّجی [بہ طورِ طنز کہاری کو کہا ہے] گھر پہنچے تو، اُس سے سمجھ لوں گی۔ یا پھر یہ فرض کر لیا جائے کہ شاعر نے "تیّجی سمجھ لوں گی" لکھا ہے اور یہ مراد لی ہے کہ گھر پہنچ کر خوب سزا دوں گی، تیّجی بناؤں گی۔

(۱۶۰) اصلاً "نوّاب" [مع واوِ مشدد] ہے۔ عام لوگوں کی زبانوں سے، خاص کر عورتوں کی گفتگو میں اکثر "نواب" سُننے میں آیا ہے۔ قدما میں سے آبرو کے یہاں یہ اسی طرح آیا ہے:

یوں چلا آوتا ہے خوباں بیچ　　فوج کے بیچ جوں نواب آتا

[دیوانِ آبرو، مرتبہ محمد حسن، ص ۱۴]

لیکن اساتذہ نے بہ طورِ عموم اِسے مع تشدید نظم کیا ہے، اِسی طرح "نوّابی"۔ مولوی نجم الغنی خاں رام پوری نے اپنی معروف کتاب "بحرالفصاحت" میں عیوبِ قافیہ کی بحث میں نوّاب یوسف علی خاں ناظم [والیِ رام پور] کا یہ شعر درج کیا ہے:

غلطی غیر کی گفتار کی دیکھی ناظم
میں جو آتا ہوں تو کہتا ہے نواب آتے ہیں

چوں کہ اصل لفظ "نوّاب" اِس شعر میں بہ طورِ قافیہ نہیں آسکتا تھا، اِس لیے "نواب" نظم کرنا پڑا، مگر شاعرانہ انداز سے اُسے مقولۂ غیر بتا کر اور غلطیِ گفتار کہہ کر پیش کیا۔ آصفیہ و نور میں "نواب" [بغیرِ تشدید] موجود نہیں۔ لفظ کی اِس شکل کو بھی درجِ لغت ہونا چاہیے [مناسب وضاحت کے ساتھ] اور شوق کے اِس شعر کو سند میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

(۱۷۰) محض احتیاطاً صراحت کی جاتی ہے کہ ف، ل، ع، سب میں "زبان کو"

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:41
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

ہے۔ اِس سلسلے میں مزید دیکھیے اِسی ضمیمے میں شعر ۲۵۴۔

(۱۸۶) صرف یہ صراحت کرنا ہے کہ لُغات میں "بتّیس دانتوں میں" ہے۔ شوق نے "بتّیس دانت میں" کہا ہے۔

(۱۸۷) ف میں "چینٹیوں" ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے اِس لفظ کے تحت ضمیمۂ تلفظ واملا۔ یہ بھی وضاحت کرنا ہے کہ نور و آصفیہ میں "چیونٹیوں بھرا کباب" ہے۔ شوق نے مع اضافۂ "کا" کہا ہے [چینٹیوں کا بھرا کباب ہے تو]۔

(۱۹۸) ف میں دوسرے مصرعے میں "جعل کیا" ہے۔ پہلے مصرعے کے "خیال کیا" کی رعایت سے "جال کیا" ہونا چاہیے۔ "خیال" کا قافیہ "جعل" اُس زمانے میں شاید ہی کسی نے باندھا ہو۔ بہ ظاہر یہ کتابت کا کرشمہ معلوم ہوتا ہے کہ "جال" کو "جعل" بنا دیا گیا۔ ل ع میں "جال کیا" ہے اور یہی مرجّح ہے۔ ہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ "جال" کیا "جعل" کے معنی میں آسکتا ہے؟ اِس سلسلے میں "جال" کے تحت آصفیہ کا اندراج قابلِ توجّہ ہے:

> "بعض لوگوں نے اِس کو فعل کے معنی میں بھی لکھا ہے، مگر وہ درحقیقت جعل ہے، مکر، فریب، دھوکا۔ جانؔ صاحب:
>
> کوٹھے پہ چڑھ کے رنڈی کرتی ہے تو جو کنگھی
> میں بیچ خوب سمجھی، یہ بھی ہے جال تیرا"

جانؔ صاحب کی اِس غزل کا مقطع یہ ہے:

> تھی میں تو تیری جانی، کیا بات تھی چھپانی
> جو غیر ہو، نہ جانے اے جانؔ حال تیرا

[دیوانِ جانؔ صاحب، مطبعِ حیدری لکھنؤ، ص۱]

جانؔ صاحب کے شعر میں "جال" اُسی طرح "جعل" کے معنی میں آیا ہے، جس طرح شوق کے زیرِ بحث شعر میں آیا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سہی، مگر "جال" کو اِس طرح استعمال کیا گیا ہے، یوں شوق کے شعر میں بھی اِس کا جواز نکل آتا ہے۔ "خیال" کا ہم قافیہ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:41
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

ہونا اِس پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ ش ع نے "جال" ہی لکھا تھا۔ اِس کی توثیق اِس طرح بھی ہوتی ہے کہ شعر ۲۰۹ اور شعر ۳۵۰ میں بھی یہ لفظ اِسی طرح [حال کے قافیے میں] آیا ہے اور اِس سے بات واضح ہو جاتی ہے۔

(۲۰۷) : "آگے اِس مُلک میں رواج گانے ٹپے کا نہ تھا۔ مستی غلام نبی متخلص شوری نے اِس کار میں زبانِ پنجاب ملائم و خوب صورت تصور کر، راہیِ پنجاب ہوا۔ وہاں چندے قیام کر، زبانِ پنجاب حاصل کر کے پھر واپس لکھنؤ ہوا اور ہر ایک راگ راگنی میں ٹپا گایا اور بنایا..... بہ عہدِ نواب آصف الدولہ مستی غلام نبی متخلص شوری ولد میاں غلام رسول قوال ساکنِ لکھنؤ بہ زبانِ پنجاب ٹپے کا ایسا موجد ہوا کہ ہر ایک گانے کا رنگ مٹ گیا۔ فقط آستائی اور انترا اس میں ہوتا ہے اور تحریر و زمزمہ اور فقرۂ ولایتی شامل کر کے رواج دیا" [معدن الموسیقی، ص ۱۶۲]۔

(۲۴۰) ف میں اِسی طرح [جعل پھیلاؤ] ہے۔ ع میں بھی یہی ہے۔ شعر ۲۳۱ کے پہلے مصرعے میں "پھندے" آیا ہے۔ اُس کی رعایت پر نظر رکھی جائے تو "جال پھیلاؤ" بہتر معلوم ہوگا۔ "جال پھیلانا" کے ایک معنی "مکر و فریب کا ڈھنگ ڈالنا" بھی ہیں [نور] لیکن میں نے ف کی مطابقت کو بہتر خیال کیا ہے۔ وجہ اِس کی یہ ہے کہ "جعل پھیلاؤ" کو بہ آسانی مجازی معنی میں مانا جا سکتا ہے اور یوں مجاز کی نسبت سے دوسرے شعر میں "پھندے" مناسبت سے عاری نہیں رہے گا۔ چوں کہ یہاں مجازی معنی بہ خوبی مراد لیے جا سکتے ہیں، اِس لیے اصل متن کو بدلنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ ل میں "جال" ہے۔

(۲۴۱) ف میں دوسرے مصرعے میں "جو کرتی ہو" ہے [اِسے "جو نہ کرتے ہو" پڑھ سکتے ہیں] نول کشوری نسخے اور ع میں "جو نہ کرتی ہو" ہے۔ مجھے یہاں "جو نہ کرتی ہو" بہتر معلوم ہوتا ہے۔ ف کا کاتب نقطوں کے معاملے میں خاصا کم احتیاط ہے ــــ مثلاً شعر ۲۴۲ کے دوسرے مصرعے میں ف میں "کیا اٹھا رکھتا ہے" ہے۔ حالاں کہ واضح طور پر "اٹھا رکھنا" کا محل ہے۔ اِسی بنا پر "جو نہ کرتی ہو" لکھا گیا ہے ــ ف میں "بات" کے قافیے میں "سات" لکھا ہوا ہے۔ ع میں "ساتھ" ہے۔ میں نے اصل کی مطابقت

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

کو ضروری خیال کیا ہے۔ شوق کے یہاں بات اور بات جیسے قوافی کئی جگہ آئے ہیں۔ "بات" کے ساتھ اگر "ساتھ" لکھا جائے، تب بھی نادرست نہیں ہوگا، اِسی طرح قدیم طریقِ نگارش کے مطابق "سات" لکھا جائے تب بھی غلط نہیں ہوگا۔ چوں کہ دونوں صورتیں بجائے خود ٹھیک ہیں، اِس لیے اُس شکل کو ترجیح دی گئی ہے، جو اصل سے [اور پُرانے اندازِ نگارش سے بھی] مطابقت رکھتی ہے۔ ل میں "سات" ہی ہے۔

(۲۴۲) ف میں پہلے مصرعے میں "سب" موجود نہیں۔ یہ کتابت کی غلطی ہے۔ ل اور ع میں "سب" موجود ہے اور یہاں اُسی کی مطابقت اختیار کی گئی ہے۔ دوسرے مصرعے میں ف میں "اٹھار کھتا ہے" لکھا ہوا ہے۔ اِس کا حوالہ اُوپر آچکا ہے۔ اِسے "اٹھار کھنا" لکھا گیا ہے۔ ل اور ع میں "اٹھار کھنا" ہے۔

(۲۴۵) ف میں پہلے مصرعے میں "آئی" ہے اور دوسرے مصرعے میں "ہوئیں"۔ اگر "ہوئیں" کو برقرار رکھا جائے تو پہلے مصرعے میں "آئی" کو "آئیں" ماننا ہوگا۔ ع میں "آتیں" اور "ہوتیں" ہے۔ قطعیت کے ساتھ تو کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن مجھے "آئیں" اور "ہوئیں" بہتر معلوم ہوتا ہے۔ اِسی خیال سے دوسرے مصرعے کے "ہوئیں" کو برقرار رکھا گیا ہے اور پہلے مصرعے میں "آئی" کو "آئیں" بنا دیا گیا ہے۔ ل میں بھی "آئیں" اور "ہوئیں" ہے۔

(۲۴۸) ف اور ع، دونوں میں "اس میں" ہے۔ بہ ظاہر "ان میں" کا محل معلوم ہوتا ہے۔ کچھ اِسی سے ملتی جلتی صورت شعر ۲۶۳ میں سامنے آتی ہے۔ دونوں جگہ ف کی مطابقت اختیار کی گئی ہے یہ مان کر کہ مصنف نے اِسی طرح لکھا ہوگا اور "گروہ" جیسے کسی لفظ کو مقدر مان لیا ہوگا۔

(۲۵۴) ف، ل، ع میں "دل کو" ہے۔ میں نے اِسی متن کو برقرار رکھا ہے، یوں کہ شوق کے یہاں "کو"، "کے" اور "پر" کا استعمال طرح طرح سے ملتا ہے اور کئی جگہ نظر رکتی ہے، مثلاً یہ شعر:

کیا اثر ہے زبان کو تیری   سب کلپتے ہیں جان کو تیری [۱۷۰]
اِن سے مل کر نہ جی گنوائے کبھی   مرد کے فقرے پر نہ آئے کبھی [۴۱۷]

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:41
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

"زبان کو" اور "فقرے پر" آج محلِ نظر معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے جملہ مقامات پر اصل متن کو برقرار رکھا گیا ہے۔

(۲۶۶) ف میں قوافی اسی طرح ہیں۔ اس سلسلے میں دیکھیے اسی ضمیمے میں شعر ۲۴۱۔

(۲۷۶) ف میں "تالو میں" ہے۔ ع میں "تالو سے" ہے۔ بہ ظاہر ع کا متن مرجح معلوم ہوتا ہے، یوں کہ اب اسی طرح کہتے ہیں۔ اس کے باوجود میں نے اس کو بدلنا مناسب نہیں سمجھا۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی لکھا جا چکا ہے، ان مثنویوں میں 'کو'، 'پر'، 'میں'، 'سے' کا استعمال کئی جگہ آج خاصا اجنبی نظر آتا ہے۔ ایسے سارے مقامات پر یہی مان لیا گیا ہے کہ مصنف نے اسی طرح لکھا تھا۔ اصولاً یہی صحیح طریقہ کار ہے۔ اسی بنا پر یہاں بھی "میں" کو "سے" سے بدلنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ ل میں "تالو میں" ہے۔

(۲۷۹) ف میں "جال ساز" ہے۔ یہاں ہر لحاظ سے "جعل ساز" ہونا چاہیے۔ "جال" کی کسی طرح کوئی گنجایش ہی نہیں نکلتی، اس لیے "جال" کو کتابت کی غلطی مان لیا گیا ہے اور "جعل ساز" لکھا گیا ہے۔ ل اور ع میں "جعل ساز" ہے۔ یہی صورت شعر ۳۲۸ میں سامنے آتی ہے۔

(۲۸۱) ف میں قوافی اسی طرح ہیں۔ اس سلسلے میں دیکھیے اسی ضمیمے میں شعر ۲۶۶ اور ۲۴۱۔

(۳۰۹) "جال" کے سلسلے میں دیکھیے اسی ضمیمے میں شعر ۱۹۸ کے تحت۔

(۳۲۳) ف میں یہ شعر اس طرح ہے: "کوئی مرجائے یہ خیال نہیں ∴ خون ناحق کا بھی خیال نہیں" ظاہر ہے کہ اس میں کتابت کی غلطی ہے۔ دونوں مصرعوں میں "خیال" بہ طورِ قافیہ نہیں آ سکتا۔ نول کشوری نسخے اور ع میں پہلا مصرع یوں ہے: "کوئی مرجائے کچھ ملال نہیں" میں سمجھتا ہوں کہ پہلے مصرعے میں صرف لفظ "خیال" کو بدل دیا جائے اور باقی سب لفظوں کو برقرار رکھا جائے تو بہتر ہوگا۔ اس بنا پر لفظ "ملال" کو "خیال" کی جگہ لکھ دیا گیا ہے اور "یہ" کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اُسے "کچھ" سے بدلنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ اس اصول کے مطابق کہ اصل متن میں ممکن حد تک کم سے کم

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:41
rekhta.org/ebooks/masnaw

دخل دیا جانا چاہیے۔

(۳۲۸) ف میں "جال ساز" ہے۔ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کاتب نے "جعل" کو "جال" بنادیا ہے۔ یہی صورت شعر ۲۷۹ کی ہے کہ اُس میں بھی ف میں "جال ساز" ہے۔ جب کہ واضح طور پر اور کسی شک کے بغیر محل "جعل ساز" کا ہے۔ اِسی بنا پر "جعل ساز" لکھا گیا ہے۔ ل اور ع میں دونوں شعروں میں "جعل ساز" ہے۔

(۳۲۹) ف میں "خدا راست لائے" ہے۔ عروضی وزن کے لحاظ سے تو "راست" ٹھیک ہے کہ قواعدِ عروض کے مطابق اِس سے وزن میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی اِس طرح کہ آخری حرف [یعنی تیسرا ساکن حرف] ساقط ہو جائے اور یہ جائز ہے، مگر قافیے کے لحاظ سے خرابی ضرور پیدا ہوگی، کیوں کہ "پاس" کا قافیہ "راست" نہیں آسکتا۔ ل میں "راست لائے" ہے اور ع میں "راس لائے" ہے۔ اِسی کی مطابقت اختیار کی گئی ہے مفہوم اور زبان، اِن دونوں کے لحاظ سے بھی "راس" بے محل نہیں۔

(۳۳۵) "نوبت ...... اِس میں دو تین شہنائی نواز ہوتے ہیں۔ ایک نقارہ بجانے والا ہوتا ہے، جو دو بہت بڑے بڑے عظیم الشان نقاروں کو اپنے آگے خمیدہ رکھ کے، دونوں کو ایک ساتھ چوبوں سے بجاتا ہے۔ اِن نقاروں کی آواز بہت بڑی ہوتی ہے اور گرد کی فضا میں بہت دور تک گونجتی ہے اور ساتھ ہی ایک جھانجھ بجانے والا بھی رہتا ہے۔ بادشاہوں اور عالی مرتبہ امیروں کے جلوس اور لشکر کے ساتھ نوبت بہت لازمی شے تھی........

یہی نوبت اگلے دنوں، خصوص لکھنؤ کے دربار میں وقت پہچاننے کا ذریعہ قرار پاگئی تھی۔ اُن دنوں وقت کی یہ تقسیم چوبیس گھنٹوں کی نہ تھی...... اُن دنوں وقت کی تقسیم کا یہ حساب تھا کہ دن اور رات کے آٹھ پہر ہوتے ہیں، چار پہر دن کے اور چار پہر رات کے، اور ہر پہر کی آٹھ گھڑیاں ہوتیں۔ ہر نوبت خانے میں ایک پتیلے یا ناندے میں پانی بھرا رہتا، اُس میں کٹورا، جس کے پیندے میں ایک باریک سا سوراخ ہوتا تھا، خالی کر کے ڈال دیا جاتا۔ وہ پانی پر تیرتا رہتا تھا۔ اُس سوراخ سے آہستہ آہستہ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

اُس میں پانی آتا رہتا تھا۔ اور وہ سوراخ ایسا اندازہ کرکے بنایا جاتا تھا کہ ایک گھڑی بھر میں پانی سے بھرتے بھرتے ڈوب جائے۔ پہر شروع ہونے کے بعد جب پہلی مرتبہ کٹورا ڈوبتا، تو ایک گھڑی بجائی جاتی۔ جب دوبارہ ڈوبتا، دو گھڑیاں بجائی جاتیں۔ اِسی طرح مسلسل آٹھ گھڑیاں بجائی جاتیں۔ آٹھویں گھڑی کے ساتھ گجر بجایا جاتا۔ یعنی پہلے ممتاز طور پر آٹھ ضربیں بجا کے، گھڑیال پر ایک ساتھ بہت سی بے شمار ضربیں جلدی جلدی لگا دی جاتیں۔ جس میں یہ اشارہ تھا کہ پہر پورا ہو گیا اور گھڑیوں کا سلسلہ پھر ایک سے شروع ہو جاتا۔

جن ڈیوڑھیوں پر نوبت ہوتی، وہاں ہر پہر کے خاتمے پر تقریباً ایک گھڑی تک نوبت بجتی رہتی۔ اِس طریقے سے رات دن کے آٹھ پہر کی آٹھ نوبتیں ہوئیں؛ مگر معمول یہ تھا کہ صرف سات ہی نوبتیں بجا کرتیں۔ پہلی نوبت تڑکے نماز کے وقت، یعنی پہلے پہر کے آغاز پر بجتی اور صبح کی نوبت کہلاتی۔ دوسری اُس وقت جب ایک پہر دن چڑھ جاتا۔ یہ پہر دن چڑھے کی نوبت کہلاتی۔ تیسری جب آفتاب نصف النّہار پر ہوتا۔ یہ دوپہر کی نوبت کہلاتی۔ اُس کے بعد جب آٹھ گھڑیاں پوری ہو جاتیں، تو تیسری نوبت بجتی اور یہ تیسرے پہر کی نوبت کہلاتی۔ اُس کے بعد چوتھا پہر ختم ہونے پر مغرب کے وقت کی نوبت بجتی اور یہ شام کی نوبت کہلاتی۔ اُس کے بعد جب پانچواں پہر پورا ہو جاتا تو پانچویں نوبت بجتی، جو پہر رات گئے کی نوبت کہلاتی۔ پھر جب چھٹا پہر گزرتا تو چھٹی نوبت بجتی، جو آدھی رات یا دوپہر کی نوبت کہلاتی۔ اِس کے بعد جب ساتواں پہر پورا ہوتا اور رات کے تین پہر گزر جاتے، تو اُس وقت لوگوں کے آرام میں خلل نہ پڑنے کے خیال سے نوبت نہ بجائی جاتی، صرف گجر بجا دیا جاتا۔ پھر اُس کے بعد آٹھویں پہر کے خاتمے پر صبح کی نوبت بجتی" [عبدالحلیم شرر: گذشتہ لکھنؤ]۔ صبح کی نوبت کو "صبح کی وردی" بھی کہتے ہیں۔ رشید مرحوم فرماتے ہیں؛

غنچے چٹکے کہ بجی صبح کی گویا وردی" [سیّد آغا مہدی: تاریخِ لکھنؤ، ص ۱۹۹]

(۲۵۰) "جال" کے سلسلے میں دیکھیے اِسی ضمیمے میں شعر ۱۹۸ کے تحت۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:42
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

(۳۵۴) دیکھیے اِس ضمیمے کے آخر میں۔

(۳۹۱) ف اور ع، دونوں میں دوسرے مصرعے میں "پری" ہے۔ پہلے مصرعے میں لفظِ قافیہ "کڑی" آیا ہے، اِس کا قافیہ "پری" کیسے ہوگا۔ زبان کے ابتدائی دور میں ایسے قوافی مل جاتے ہیں، لیکن ارتقائے زبان کے بعد یہ صورت نہیں رہی، خاص کر لکھنؤ میں اور وہ بھی عہدِ شوق ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ دوسرے مصرعے میں "پڑی" ہوگا جو سامنے کا لفظ ہے۔ کتابت میں "ڑ" کی ط لکھنے سے رہ گئی۔ میں نے یہاں "پڑی" لکھنا ضروری خیال کیا ہے تاکہ قافیہ خراب نہ ہو۔ جو خاتون کہہ رہی ہے، اُس نے اپنی طویل گفتگو میں اکثر تیز اور کٹیلا بلکہ مبتذل طرزِ بیان بھی اختیار کیا ہے، اِس لیے اِس شعر میں "پڑی" کے تحت یہ خیال ذہن میں نہیں آنا چاہیے کہ بغل میں پڑی لکھنا عامیانہ طرزِ گفتگو ہے۔ نول کشور میں "پڑی" ہے۔

(۴۱۲) ف اور ع، دونوں میں "اُن کو" ہے۔ دوسرے مصرعے پر نظر رکھی جائے تو یہ خیال ہوگا کہ یہاں "اس کو" ہونا چاہیے۔ چوں کہ شوق کے یہاں یہ اندازِ بیان ملتا ہے، اِس لیے اصل متن کو برقرار رکھا گیا ہے۔ نول کشور میں بھی "اُن کو" ہے۔

(۴۱۷) محض احتیاطاً یہ صراحت کی جاتی ہے کہ ف، ل، ع، سب میں "فقرے پر" ہے۔ اِس سلسلے میں دیکھیے اِسی ضمیمے میں شعر ۸۷۔

(۴۱۹) "صفات کرنا" کہیں اور دیکھا نہیں گیا۔ بہ ظاہر یہاں بیان کا عجز ہے۔ یہ فرض کر لینا چاہیے کہ یہاں لفظِ "بیان" مقدر مانا گیا ہے۔

(۴۲۰) شوق نے اِسے قولِ پیمبر یعنی حدیث بتایا ہے۔ میر اثر نے باغ و بہار میں اور رجب علی سرور نے فسانۂ عجائب میں یہی لکھا ہے۔ سعدی نے گلستاں کے دیباچے میں لکھا ہے: "عاکفانِ کعبۂ جلالش بہ تقصیرِ عبادت معترف کہ ما عبدناک حق عبادتک۔ واصفانِ حلیۂ جمالش بہ تحیر منسوب کہ ما عرفناک حق معرفتک" [گلستاں بہ تصحیح عبدالعظیم گرگانی، تہران]۔ سعدی نے جس طرح اِن عربی عبارتوں کو لکھا ہے، اُس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ قولِ پیغمبر، یعنی حدیث نہیں۔ یہی صحیح بات معلوم ہوتی ہے۔ بہ ظاہر کسی صوفی کے اقوال معلوم ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:42
rekhta.org/ebooks/masnaw

[استادِ شعبۂ اردو بنارس یونیورسٹی] نے میرے خط کے جواب میں لکھا تھا، "ماعرفناک.... کے سلسلے میں آپ کا یہ فرمانا بالکل بجا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے۔ لیکن کس کا قول ہے؛ اِس کی تحقیق کی میں نے کوشش ضرور کی، لیکن مجھے اِس میں کامیابی نہیں ہوئی۔"

صدیقی صاحب کا مکمل خط میں نے حواشیِ باغ و بہار [مرتبۂ راقم الحروف] میں ص ۲۹۲ پر نقل کر دیا ہے۔ اُنھوں نے احادیث سے متعلق متعدد کتابوں کے حوالے دیے ہیں۔ اُنھوں نے یہ بھی لکھا ہے: "جرمن مستشرقین کی ایک جماعت نے احادیث کے دس مشہور مجموعوں کا اشاریہ تیار کیا ہے، احتیاطاً اُسے بھی دیکھ لیا۔"

(۴۲۱) سورۂ القلم کی اِس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم۔

(۴۲۲) "ایک مرتبہ حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، جناب فضّہ [کنیزِ حضرت فاطمہؑ] اور حضراتِ حسنینؑ نے تین روزوں کی نذر کی تھی۔ پہلے روزے کے افطار کے وقت دروازے پر ایک مسکین نے آواز لگائی تو سب نے اپنے اپنے حصّے کی روٹی اُسے دے دی اور خالی پانی سے روزہ افطار کیا۔ دوسرے دن افطار کے وقت ایک یتیم نے، تیسرے دن ایک قیدی نے آواز لگائی اور اُسی طرح روٹیاں دے دی گئیں۔ اِس ایثار پر سورۂ دہر نازل ہوا جس میں اِس واقعے کا ذکر ہے: یوفونَ بالنَّذرِ...... اور یُطعمون الطَّعامَ علیٰ حُبِّہٖ مسکیناً ویتیماً واسیراً ۰۔ سورۂ دہر کی شروعات ھَل اتی علی الانسان... سے ہوتی ہے، اِس لحاظ سے حضرت علیؑ کو "شانِ ہل اتی" بھی کہا جاتا ہے"۔

(۴۲۵) حضراتِ شیعہ رسول اللہ کے بعد بارہ اماموں کو مانتے ہیں: حضرت علیؓ، امام حسنؓ، امام حُسینؓ، امام زین العابدینؓ، امام محمد باقرؓ، امام جعفر صادقؓ، امام موسیٰ کاظمؓ، امام علی موسیٰ رضاؓ، امام محمد تقیؓ، امام علی نقیؓ، امام حسن عسکریؓ، امام محمد مہدیؑ [نوراللغات]۔

(۴۲۹) واجد علی شاہ ابنِ امجد علی شاہ۔ آخری شاہِ اودھ۔ ولادت: ۱۰ ذیقعدہ ۱۲۳۸ھ۔ تخت نشینی: ۲۶ صفر یا ۲۷ صفر ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۸۴۷ء۔ "۷ فروری ۱۸۵۶ء کو سلطنتِ اودھ کی ضبطی عمل میں آئی..... ۲۱ ستمبر ۱۸۸۷ء کو عالمِ آخرت

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:42
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

کی راہ لی" [تاریخِ اودھ، از نجم الغنی خاں، جلدِ پنجم، کراچی اڈیشن]۔

(۴۳۰) بادشاہوں کو "ظلّ اللہ" بھی کہا جاتا تھا [خدا کا سایہ]، اِس شعر میں "سایۂ الٰہی" سے یہی مراد ہے۔

(۴۳۱) اشارہ ہے اِس آیت کی طرف: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ [سورۂ نسآء]۔

(۴۵۵) پہلے مصرعے میں "حالِ اوّل" [مع اضافت] بھی پڑھ سکتے ہیں اور بغیر اضافت بھی۔ مفہوم دونوں صورتوں میں ایک ہی رہے گا۔ میں نے اِسے بغیر اضافت بہتر سمجھا ہے۔

(۴۵۷) پہلے مصرعے میں "اپنے قابو میں" بھی پڑھ سکتے ہیں، اور یوں بھی پڑھ سکتے ہیں: اپنی قابو میں جو طبیعت تھی۔ "اپنی" کی صورت میں مصرعے میں اچھی خاصی تعقید پیدا ہو جاتی ہے۔ میں نے محض حسنِ بیان کے لحاظ سے "اپنے" کو ترجیح دی ہے۔ مفہوم دونوں صورتوں میں ایک ہی جیسا رہے گا۔ ہاں ع میں "اپنی" ہے۔

(۴۵۸) شرر نے گذشتہ لکھنؤ میں محمد علی شاہ کے زمانے کی تعمیرات کے بیان میں لکھا ہے: "حسین آباد کے پھاٹک سے رومی دروازے تک دریا کے کنارے ایک سڑک نکالی، جو "چوک" کہلاتی تھی۔ اِس سڑک پر باوجود دو طرفہ عالی شان مکانوں کے ایک طرف رومی دروازہ، آصف الدولہ کا امام باڑا اور اُس کی مسجد تھی۔ دوسری طرف ستّ کھنڈا اور حسین آباد کا پھاٹک تھا، اِس نئے امام باڑے کی سر بہ فلک عمارتیں تھیں اور اُن کے پہلو میں جامع مسجد واقع تھی۔ اِن سب عمارتوں نے مل کے دونوں جانب ایک ایسا خوش نما اور نظر فریب منظر پیدا کر دیا تھا جو دنیا کے تمام مشہور و خوش سواد مناظر پر چشمک زنی کرتا تھا۔" میرا خیال ہے کہ اِس شعر میں "چوک" سے مراد یہی سڑک ہے۔ یہ صراحت یوں کی گئی کہ مفرد لفظ "چوک" سے اب عموماً وہ علاقہ مراد لیا جاتا ہے جو طوائفوں کا مرکز رہا ہے اور یہاں اُس کا محل نہیں معلوم ہوتا۔ شعر ۴۵۷ واضح طور پر اِس بات پر دلالت کرتا ہے۔

(۴۶۹) محض احتیاطاً یہ صراحت کی جاتی ہے کہ سب نسخوں میں "جس پر" ہے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:42
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

(۵۱۱) نور میں "صدقے سیلے" مندرج نہیں، صرف "صدقہ سِلا" ہے۔ تشریحی عبارت کے خاتمے پر "دہلی" لکھا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کلمہ دہلی کی زبان سے مخصوص ہے۔ سند میں صابر کا یہ شعر لکھا گیا ہے :

صدقے سِلّے ترے اوپر سے اُتروا تا تھا
گنڈے تعویذ ترے واسطے میں لاتا تھا

[نور میں صابر کا یہ شعر دراصل آصفیہ سے نقل کیا گیا ہے] مگر شوق کے زیرِ بحث شعر کی بنا پر دہلی سے اِس کی تخصیص درست نہیں ٹھہرے گی۔ آصفیہ میں "صدقہ سِلّا" اور "صدقے سیلے" دونوں کلمے موجود ہیں۔ صاحبِ آصفیہ نے "صدقہ سِلّا" کے تحت یہ لکھا ہے :

"ہماری رائے میں یہ لفظ "صدقہ وصلا" ہے، کیوں کہ "صلا" عربی میں فقرا کو کھانے کے واسطے بلانے کے ہیں، اور "صدقہ" بہ معنیِ خیرات، یا وہ کھانا جو راہِ خدا میں دیا جائے۔ پس اِس صورت میں یہ لفظ مرادفِ صدقہ ہے۔ جن لوگوں نے اِس کو "صدقہ وصلاح" قرار دیا ہے، اُنھوں نے شاید صدقہ اسلامتی و خیرات قرار دیا ہے، لیکن یہ تکلف سے خالی نہیں۔"

آگے چل کر آصفیہ میں "صدقے سِلّے یا سیلے" لکھا گیا ہے اور یہ صراحت کی گئی ہے کہ "صدقہ سِلّا یا سیلا کی جمع۔"

"سیلے" کی یٰ معروف ہے یا مجہول، اِس کی صراحت نہیں کی گئی۔ اردو لغت میں "سیلا" کو معِ یائے معروف لکھا گیا ہے اور سند میں مثنوی نیرنگِ خیال کا یہ شعر لکھا گیا ہے :

"دُنیا کا ہے یہ بھی ایک جیلا کچھ بھیج دو صدقہ سیلا"

[دوسرے مصرعے کا وزن درست نہیں۔ کوئی لفظ چھوٹ گیا ہے۔ یہ مثنوی میرے سامنے نہیں کہ تصحیح کی جا سکے] اِس لحاظ سے "صدقے سیلے" میں بھی یٰ معروف ہونا چاہیے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:42
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

"سیلا" کے سینِ مکسور سے "سِلا" میں بھی کسرۂ سین پر بہ خوبی سند لائی جاسکتی ہے۔

"سِلا" کو تینوں لُغات میں سین کے زیر کے ساتھ لکھا گیا ہے یعنی اِس میں کچھ اختلاف نہیں۔ اگر حسبِ قولِ صاحبِ آصفیہ یہ "صَلا" کی بدلی ہوئی شکل ہے، تو بہ ظاہر اُسے بہ فتحِ اوّل ہونا چاہیے تھا۔ یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ استعمالِ عام نے یہ صورت پیدا کی ہے، یا پھر یہ کہ یہ قیاس درست نہیں کہ یہ "صَلا" کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ اردو لغت میں "صدقہ صَلا" [بہ فتحِ صاد] بھی ہے اور مثالاً ناصر نذیر فراق دہلوی کی ایک عبارت درج کی گئی ہے جس میں "صدقے صلے" لکھا ہوا ہے۔ میں فی الوقت یہ نہیں کہہ سکتا کہ "صدقے صلے" اِس کلمے کی حقیقی صورت ہے یا محض کرشمۂ کتابت ہے۔ یہ خیال ذہن میں خاص کر یوں آیا ہے کہ اردو لغت میں بہت سے مقامات پر مختلف کاتبوں اور ناقلوں کے لکھے ہوئے لفظوں کو حقیقی صورتیں فرض کرکے شاملِ لغت کر لیا گیا ہے، جب کہ وہ دراصل محض کم سواد کاتبوں یا ناقلوں کی جنبشِ قلم کا نتیجہ ہیں۔

اثر لکھنوی نے فرہنگِ اثر میں "صدقے چلے اترنا" درج کیا ہے اور حوالہ دیا ہے طلسمِ ہوش رُبا کی ایک عبارت اور آرزو لکھنوی کے ایک شعر کا۔ آرزو کا شعر یہ ہے:

وہم ہر طرح کے گزرنے لگے
صدقے چلے سبھی اترنے لگے

اثر صاحب بالعموم مکمل حوالہ نہیں دیتے۔ میرے لیے یہ معلوم کرنا اِس وقت بہت مشکل ہے کہ اُن کی نقل کی ہوئی عبارت طلسمِ ہوش رُبا کی دس ضخیم جلدوں میں سے کس جلد میں کس مقام پر ہے اور یہ کہ آرزو کا یہ شعر اُن کے کس مجموعے سے ماخوذ ہے۔ خیر، یہ تو لفظ ہی دوسرا ہو گیا، اِس لیے یہاں اِس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں، احتیاطاً حوالہ دے دیا گیا ہے۔ بہ ہر طور "صدقہ سِلا" اور "سِیلے" معِ سینِ مکسور ہی ملتے ہیں اور اِس اعتبار سے اِنھی کو مرجح صورت ماننا چاہیے۔

(۵۱۸) اِس شعر میں "دوا و دوش" مرکبِ عطفی ہے، اِس لحاظ سے اِس کے معنی ہوئے: دوا اور دوڑ دھوپ۔ اردو میں مستعمل مرکب "دوا دَوِش" ہے، مگر اِس مرکب

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:42
rekhta.org/ebooks/masnaw

ں دونوں جز [دوا۔ دَوش] فارسی کے مصدر "دویدن" سے متعلق ہیں۔ ["دوا دَو" اور
' دوادَوی " بھی اِسی طرح بنے ہیں اور لغت میں موجود ہیں]۔ شاعر نے متعارف مرکب
' دوادوش" کے بجائے عطفی مرکب "دوا و دوش" استعمال کیا ہے، غالباً اِس خیال سے
ر اِس میں " دوا " کا مفہوم بھی شامل ہوجاتا ہے۔ یہ مرکب لُغات میں موجود نہیں۔
سے شوق کی ایجاد کہنا چاہیے اور یہ اِس قابل ہے کہ اِسے شاملِ لغت کیا جائے۔

(۵۷۹) اِس شعر میں "کھیلے" بھی پڑھا جاسکتا ہے اور "کھیلی" بھی کہا جاسکتا ہے، یعنی کبھی چوسر کھیلی اور کبھی شطرنج۔ پہلی صورت میں "کھیلے" دوستوں کے لیے ئے گا۔ اگر پہلے مصرعے کے "مٹاتے تھے" پر نظر رکھی جائے تو دوسرے مصرعے میں ، ظاہر "کھیلے" بہتر معلوم ہوگا۔ بہ ہر طور "کھیلے" اور "کھیلی" دونوں کے ساتھ یہ شعر بامعنی ، ہتا ہے اور مفہوم میں کچھ فرق واقع نہیں ہوگا۔ ع میں "کھیلے" ہے۔ میں نے زبان کی خوبی اور بیان کے حُسن پر نظر رکھتے ہوئے "کھیلی" کو بہتر سمجھا ہے۔ یہ بھی واضح کردوں کہ صحیح دونوں طرح رہے گا۔

(۶۱۲) س، م، خ اور گلزار میں دوسرا مصرع اِس طرح ہے : کہیں دونوں کو کرتے ہیں یہ سلام۔ نول کشوری نسخے میں بھی اِسی طرح ہے۔ ع میں "کرتا ہے یہ سلام" ہے۔ سیاقِ کلام پر نظر رکھی جائے تو صاف طور پر معلوم ہوگا کہ یہاں بھی فعلِ واحد ہونا چاہیے۔ فاعل "عشق" ہے، جس کا بیان اوپر کے شعروں سے چلا آرہا ہے اور اِس اعتبار سے "کرتے ہیں" کا کوئی محل نہیں، "کرتا ہے" ہونا چاہیے۔ میری رائے میں یہاں واضح طور پر غلطیِ کتابت ہے جس کی نقل ہوتی رہی۔ اِسی بنا پر ع کے متن کو ترجیح دی گئی ہے۔

(۶۲۶) س، ل : بنت العنب یہ ہے۔ ع : بنت العنب ہے یہ۔ خ : بنت عنب یہ ہے۔ م اور گلزار میں "بنت العنب یہ ہے" ہے اور یہی مرجّح ہے ــــ بنتُ العِنَب، شراب کو کہتے ہیں۔ [بِنت : بیٹی۔ عِنَب : انگور۔ بنتُ العنب : انگور کی بیٹی، یعنی شراب۔ بہت مشہور شعر ہے : اُس کی بیٹی نے اُٹھا رکھی ہے دُنیا سر پر :

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:42
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

خیریت گزری کہ انگور کے بیٹا نہ ہوا]۔ لفظِ "بنت" کی نسبت سے یہ کہا گیا ہے کہ کہیر تو وہ بنت العنب پر عاشق ہے۔ [بنت العنب کی محبت میں چُور ہے]۔

(۶۲۹) س، م اور گلزار میں "بادشائی" ہے۔ ع میں "بادشاہی" ہے۔ غالباً ع کے مصحح یا مرتب نے "بادشائی" کو غلط فرض کر کے اُسے "بادشاہی" بنا دیا۔ "بادشا" [ہ کے بغیر] مستعمل لفظ ہے۔ صرف ایک مثال:

یہ اوج، یہ مرتبے ہُما کو نہ ملے   یہ دلقِ مرقّع اُمرا کو نہ ملے
بخشی ہے خدا نے ہم کو وہ دولتِ فقر   برسوں ڈھونڈھے تو بادشا کو نہ ملے (انیس)

[روحِ انیس، مرتبہ مسعود حسن رضوی، ص ۲۷۲]

"بادشا" سے "بادشائی" بنا ہے۔ یہ لُغت میں موجود ہے۔ اُردو لغت میں آرزو لکھنوی اور منیر شکوہ آبادی کے اشعار بہ طورِ مثال درج کیے گئے ہیں:

بت کدے کی ہو حکومت بادشائی کے عوض
ایک بُت در کار ہے ساری خُدائی کے عوض [منیر۔ کلیات، ص ۱۳۵]

فقر میں شانِ کبریائی ہے   کچھ نہیں ہے تو بادشائی ہے
[فغانِ آرزو، ص ۲۱۸]

ہاں، یہ لفظ بہارِ عشق کے اِس شعر میں بھی آیا ہے:

جس کو اُس در تلک رسائی ہے   دین و دنیا کی بادشائی ہے [۱۲۵۶]

ع میں اِس شعر میں "بادشائی" ہی ہے۔ ل میں دونوں شعروں میں "بادشائی" ہے۔

(۶۳۹) دوسرا مصرع اندازِ بیان کے لحاظ سے توجہ طلب ہے۔ "پہاڑ کٹنا" محاورہ ہے [اور "پہاڑ کاٹنا" کی لازم صورت ہے] مگر اِس کے استعمال کی صورت یہ ہے:

کیا کہیے کیوں کر اِس شبِ غم کو کیا بسر
کس طرح یہ پہاڑ کٹا، کچھ نہ پوچھیے

[یہ شعر نور سے منقول ہے]۔ شوق کے اِس شعر میں بہ ظاہر "پہاڑ کی طرح کٹنا" کا محل ہے۔ "پہاڑ کی طرح کٹنا" محاورہ ہے اور یہ اردو لغت میں مع سند موجود ہے:

299
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:43
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

پہاڑ کی طرح کٹنا، محاورہ، وقت وغیرہ کا دوبھر یا دشوار ہونا یا مشکل سے گزرنا، ایک مہینے رمضان کے روزے تو پہاڑ کی طرح کٹتے ہیں [رویائے صادقہ]۔ شوق کے اِس شعر میں ظاہر بیان کی ناتمامی کا عیب ہے۔ یہ کہنا تھا کہ: دن پہاڑ کی طرح کٹتے ہیں۔

(۶۷۸) گلزار، ع : اِک اُس میں۔

(۶۸۴) س، م، خ اور گلزار میں اِسی طرح [بھرکے] ہے، ع میں "بھرکے نظر" ہے۔ معنویت کے لحاظ سے یہاں "بھرکے" مرجح ہے۔ اک نظر دیکھنا اور نظر بھرکر دیکھنا، یہ دو مختلف باتیں ہیں اور اِس لحاظ سے "اک نظر بھرکے دیکھا" مناسب نہیں معلوم ہوگا۔ علاوہ بریں، پہلے مصرعے میں اِدھر اور اُدھر دیکھنے کا بیان ہے [گہ اِدھر دیکھا، گہ اُدھر دیکھا] اِس پر نظر رکھی جائے تو اِس کی مناسبت سے بھی "بھرکے" بہتر معلوم ہوگا کہ یہ بھرکے اک نظر دیکھنا، اُسی گہ اِدھر اور گہ اُدھر دیکھنے کے عمل کا ایک حصّہ بن جاتا ہے۔ ل میں بھی "بھرکے" ہے۔

(۶۹۵) گلزار اور ع میں پہلا مصرع یوں ہے: ٹھہرو تم یاں ابھی مَیں جاتی ہوں۔ اس کے برخلاف س، م اور خ میں "ابھی تو جاتی ہوں" ہے۔ شاید کسی طالب علم کے ذہن میں خیال پیدا ہو کہ "ابھی مَیں جاتی ہوں" بہتر اور مرجح صورت ہے؛ اِس لیے یہ صراحت کی جاتی ہے کہ بہتر صورت وہی ہے جو س اور م میں ہے، اِس لیے کہ دوسرے مصرعے میں "مَیں بلانے لاتی ہوں" آیا ہے۔ اگر پہلے مصرعے میں بھی "مَیں" لایا جائے تو یہ تکرار حُسنِ بیان کے لحاظ سے اچھی نہیں معلوم ہوگی۔ علاوہ بریں "ابھی تو جاتی ہوں" میں "تو" سے فوری طور پر کام کرنے کا اور عجلت کا جو مفہوم شاملِ گفتگو ہو جاتا ہے، اُس سے خوبیِ بیان کا اضافہ ہو جائے گا۔

(۷۱۴) "لالہ عذار" میں لفظِ "لالہ" دُہری مناسبت کے ساتھ آیا ہے۔ "لالہ" معروف سُرخ پھول ہے، اِس نسبت سے "لالہ عذار" کے معنی ہوئے: لالے کی طرح سُرخ رخسار والی؛ مگر افیون کے پودے میں جو سُرخ پھول آتا ہے اور جس کے پیالے میں افیون جمع ہوتی ہے، اُسے بھی لالہ کہتے ہیں۔ ["افیون فیض آبادی گلاب باڑی

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:43
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

والے لالے کی وہ رنگین جس نے تریاکِ مصر کے لٹے کر کرے کیے" [فسانۂ عجائب مرتبۂ راقم الحروف، ص ۹]۔ اِس لحاظ سے "افیون" اور "لالہ" میں ضلع کی نسبت ہے اور شاعر نے اِسی نسبت کی خاطر "لالہ عذار" کہا ہے۔

(۷۳۱) س، م، خ، ل، گلزار اور ع؛ سب نسخوں میں دونوں مصرعوں کی ردیف "جانے" ہے۔ مولانا حالی نے مقدمۂ شعر و شاعری کے آخر میں، جہاں مثنویات کا ذکر کیا ہے، وہاں شوق کے لیے لکھا ہے:

"اردو کے عام روزمرہ کو صحتِ الفاظ پر، جس کے اہلِ لکھنؤ سخت پابند ہیں، اکثر ترجیح دی ہے۔ ردیف و قافیے میں عروضیوں کی بے جا قیدوں کی بھی چنداں پابندی نہیں کی؛ مگر جو اصل مقصود ردیف و قافیے سے ہوتا ہے، اُس کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ مثلاً:

کوئی مرتا ہے کیوں، بلا جانے ہم بہو بیٹیاں یہ کیا جانیں

اِس ردیف کو ہمارے شعرا ضرور غلط بتائیں گے، مگر ردیف کا جو اصل مقصد ہے، وہ اِس سے بہ خوبی حاصل ہے، کیوں کہ سامع کو یہ شعر سُن کر واحد اور جمع کا فرق مطلق محسوس نہیں ہوتا اور یہی ردیف کا ماحصل ہے۔"

یعنی حالی کے سامنے اِس مثنوی کا جو نسخہ تھا، اُس میں دوسرے مصرعے میں "جانیں" تھا۔ وہ کون سا نسخہ تھا، معلوم نہیں۔ میرے سامنے جو نسخے ہیں اور جن میں اشاعتِ اوّل بھی شامل ہے، اُن سب میں دونوں مصرعوں کی ردیف "جانے" ہے۔

طبعِ اوّل [نسخۂ س] کے آخر میں شوق کی لکھی ہوئی ایک عبارت ہے [جسے مقدمے میں نقل کر دیا گیا ہے] اُس میں شوق نے لکھا ہے: "اِس ذرّۂ بے مقدار کو منظور یہ تھا کہ محاورات صاحبانِ محل اور نوچندی کے لوگوں کے بچے بیان کرے، لہٰذا یہ مثنوی مخصوص اِسی واسطے کہی اور الفاظِ غلط کہ اُن لوگوں کے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:43
rekhta.org/ebooks/masnaw

محاورات میں جاری تھے، موزوں کیے۔۔۔۔" کیا اِس شعر میں بھی ایسی ہی کوئی صورت ہے؟ قطعیت کے ساتھ تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا، مگر ایک بات واضح ہے کہ پہلے مصرعے کی ردیف "جانے" ہے اور بالکل درست ہے، زبان کے لحاظ سے بھی اور مفہوم کے لحاظ سے بھی۔ لفظ "ہماری" کو مقدر ماننا ہوگا، یعنی: ہماری بلا جانے۔ دوسرے مصرعے میں "بہو بیٹیاں" کی رعایت سے "جانیں" ہونا چاہیے۔ میں یہ فرض کیے لیتا ہوں کہ شاعر نے "جانے" لکھ کر "جانیں" کا مفہوم مراد لیا ہے۔

ایک صورت اور بھی ہو سکتی ہے کہ یہ فرض کر لیا جائے کہ شاعر نے پہلے مصرعے میں "جانیں" لکھا تھا [کوئی مرتا ہے کیوں، بلا جانیں] اور یوں دوسرے مصرعے کا "جانیں" بجائے خود درست ٹھہرے گا؛ مگر یہ سب مفروضات ہیں۔ واقعی صورت جو سامنے ہے، وہ یہ ہے کہ دونوں مصرعوں میں "جانے" لکھا ہوا ہے۔ میں نے کسی بھی مصرعے میں تصرف کرنا مناسب خیال نہیں کیا کیوں کہ اُس کے لیے میرے پاس کوئی سند نہیں۔ رہا قیاس، سو اُس کے تو کئی پہلو نکلتے ہیں اور یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کون سا پہلو قرینِ صواب ہے؛ اِس بنا پر میں یہاں قیاس آرائی سے، یعنی قیاسی تصحیح سے کام نہیں لے سکتا۔ اگر دوسرے مصرعے میں "کیا جانیں" لکھ بھی دوں، تو اِس کا جواب میرے پاس نہیں کہ سماعت میں جو بھی ہو، زبان پر جو بھی آئے؛ کیا کوئی شاعر کاغذ پر بھی "جانے" کا قافیہ "جانیں" لکھے گا؟ میرا خیال یہی ہے کہ تحریر کی حد تک ایسا نہیں ہوا ہوگا۔ شوق ہوں یا کوئی اور، تحریراً کوئی بھی "جانے" اور "جانیں" کو ہم قافیہ نہیں کرے گا۔ "جانے" لکھ کر "جانیں" مراد لینا اِس کے مقابلے میں قرینِ قیاس ہو سکتا ہے۔

اِسی مثنوی [بہارِ عشق] میں ذرا آگے چل کر یہ شعر بھی ہے،

ایسے جھگڑے مری بلا جانے   میں کہاں، وہ کہاں خدا جانے   [ص۴۲۵]

اِس میں بھی "جانے" ردیف ہے اور دونوں مصرعوں میں برمحل ہے۔ اِس سے یہ تو واضح ہو ہی جاتا ہے کہ "جانے" کا محلِ استعمال شاعر کی نظر میں تھا اور

302
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:43
rekhta.org/ebooks/masnaw

یہ بھی کہ زیرِ بحث شعر میں غلطی سے نہیں، سوچ سمجھ کر اِس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے۔ ایک مصرعے میں استعمالِ عام کے مطابق اور دوسرے مصرعے میں ایک خاص انداز سے۔

(۷۳۹) س، م، خ اور گلزار میں "او خود کام" ہے۔ ع میں "وہ خود کام" ہے۔ "خود کام" کے معنی ہیں: خود غرض، اپنے مطلب کا آشنا [اردو لغت]۔ اگر "او" کو رکھا جائے تو یہ کلمۂ خطاب ہے اور مراد ہوں گے وہ صاحب جو باتیں کر رہے ہیں۔ میں یہ مانے لیتا ہوں کہ "او" یہاں بہ طورِ کلمۂ خطاب آیا ہے۔ وہ صاحب جس کام کے لیے کہ رہے تھے، جس طرح فرمایش کر رہے تھے، اُس کے لحاظ سے اُن کو مطلبی، مطلب کا آشنا، خود غرض کہنا کچھ ایسا بے محل نہیں معلوم ہوتا۔ یہ مصرع: "دور ہو بس کہ بے قصور معاف" میرے خیال کی تائید کرتا ہے۔ اِسی بنا پر میں نے "او خود کام" کو برقرار رکھا ہے۔ نول کشور میں بھی "او خود کام" ہے۔

ابھی داستان کا گویا آغاز ہی ہے، اُس خاتون سے پہلی بار گفتگو ہو رہی ہے؛ اِس لحاظ سے یہ فرض کر لینا کہ اُس خاتون کو "خود کام" کہا گیا ہے، یہ بات کچھ لگتی ہوئی نہیں معلوم ہوتی۔ اُسے خود غرض آخر کس بنا پر کہا جائے گا۔

"خود کام" آوارہ، بدچلن کے معنی میں مثنوی گلزارِ نسیم کے ایک شعر میں آیا ہے۔ مثنوی کے شروع ہی میں دایۂ تاج الملوک کے استفسار کے جواب میں کہتی ہے:

بولی وہ کہ ہاں جُوا ہے بدکام　　دلبر اک بیسوا ہے خود کام

یہ معنی بھی زیرِ بحث شعر میں چسپاں نہیں ہوتے۔ اِنھی وجوہ سے میں نے اصل متن سے انحراف کو کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں سمجھا۔

(۷۹۷) س میں "ڈہاک تی" ہے، یعنی "ڈھاکتی"۔ م، ل، خ، گلزار اور ع میں "ڈھانپتی" ہے۔ نور میں "ڈھانکنا" کے تحت لکھا گیا ہے کہ: "ڈھانپنا" غم کے لیے مخصوص ہے اور "ڈھانکنا" چھپانے کے لیے۔ اثر لکھنوی نے فرہنگِ اثر میں اِس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "یہ وہم ہی وہم ہے۔ دونوں متحد المعنی ہیں۔ اگر فرق ہے تو یہ ہے کہ ڈھانپنے میں شرم و حیا کا بھی ایک شائبہ ہے" [ص۔۲۸۰]۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

8:43
rekhta.org/ebooks/masnaw

جلالؔ نے سرمایۂ زبانِ اردو میں اِن دونوں مصدروں کو متحد المعنی لکھا ہے: "ڈھانپنا اور ڈھانکنا: کسی چیز کا کسی چیز سے چھپانا۔ ف: پوشیدن۔ جرأتؔ:

دیکھا، تو یوں وہ کہہ کے، لگے منہ کو ڈھانپنے
کم بخت پھر لگا مجھے نظروں میں بھانپنے

ہولے اب تو یہ نقشہ ترے بیمارِ ہجراں کا :. کہ جس نے کھول کر منہ اُس کا دیکھا، بس وہیں ڈھانکا"

اِس لحاظ سے شوقؔ کے مصرعِ اوّل میں "ڈھانکتی" بھی درست ہے اور "ڈھانپتی" بھی برمحل ہے۔ حسنِ بیان کے لحاظ سے دیکھا جائے تو "ڈھانپتی" مرجّح نظر آئے گا، یوں کہ "کانپتی" کے مقابلے میں صوتی لحاظ سے "ڈھانپتی" بہتر معلوم ہوگا۔

(۸۰۱) س، ل میں "نوک جھوک" ہے۔ م، خ، گلزار اور ع میں "نوک چوک" ہے۔ لُغات میں اِن دونوں کلمات کو متحد المعنی لکھا گیا ہے [سرمایۂ زبانِ اردو۔ آصفیہ] آصفیہ میں "نوک چوک" کے تحت مثالاً شوقؔ کے اِسی شعر کو درج کیا گیا ہے۔ چوں کہ دونوں کلمے متحد المعنی ہیں، اِس لیے میں نے م کے متن کو ترجیح دی ہے۔

(۸۱۸) اِس شعر میں "قُران" بروزنِ دُکان آیا ہے۔ یہ لفظ اِسی تلفّظ کے ساتھ اِسی مثنوی کے اِن دونوں شعروں میں بھی نظم ہوا ہے:

مجھ پہ مرتے ہو تم قُران کی سوں   سچ کہو، تم کو میری جان کی سوں ۹۸۰
اب جو تو بولے تو قُران کی سوں   اپنی اور تیری جان ایک کردوں ۱۰۴۸

"قُران" [بغیرِ مد] عربی لفظ "قرآن" کی مُفرس شکل ہے اور فارسی اور اردو میں اِس کے استعمال کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ قاضی عبدالودود نے اپنے طویل مقالے "غالب بہ حیثیتِ محقق" میں بہت سے فارسی اساتذہ کے یہاں سے "قران" کے استعمال کی مثالیں جمع کردی ہیں۔ میں نے اپنی کتاب زبان اور قواعد میں فارسی اور اردو شعرا کے یہاں سے بہت سی مثالیں یک جا کردی ہیں۔ تفصیل کے لیے اِن ماخذوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اردو کی صرف ایک مثال درج کی جاتی ہے:

مت مانیو کہ ہوگا یہ بے درد اہلِ دیں :. گر آوے شیخ پہن کے جامہ قران کا
[میرؔ۔ کلیات مرتبۂ آسی، ص ۴۹]

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:43
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

زیرِ بحث شعر میں [لیسے دو اور شعروں کی طرح] یہ لفظ ایک عورت کی زبان سے ادا ہوا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ بہت بھلا لگتا ہے۔ مثنوی زہرِ عشق میں "قرآن" آیا ہے :

اگر آ جائے کچھ طبیعت پر   پڑھنا قرآن میری تربت پر

اور وہاں بھی ایک عورت کی زبان سے ادا ہوا ہے، مگر یہ اندازِ بیان کی خوبی ہے کہ حسنِ بیان مجروح نہیں ہوا۔ شعر نمبر ۱۵ میں بھی "قرآن" آیا ہے۔

(۸۱۹) س، م، خ میں "ہوتے سوتوں کو" ہے۔ گلزار، ل، ع میں "ہوتے سوتے" ہے۔ یہ کلمہ اِس سے پہلے بھی ایک شعر میں آیا ہے :

ہوتے سوتوں کو اپنے وہ بلوائے ؛ خوب گرمی کی، کیا مزے میں آئے [۴۲۸]

اور اِس شعر میں سب نسخوں میں "ہوتے سوتوں کو" ہے۔ دونوں جگہ س اور م کے متن کی مطابقت اختیار کی گئی ہے۔

(۸۶۹) نور و آصفیہ میں "نچ" موجود نہیں۔ کسی اور لغت میں بھی نہیں ملا۔ بہ ظاہر یہ "نَوچ" کا مخفف معلوم ہوتا ہے۔ میرے استفسار پر نیّر مسعود صاحب نے لکھا ہے :

" "نوچ" اب تو شاید بولا ہی نہیں جاتا، لیکن خود میں نے اِسے دونوں طرح سے سُنا ہے: خوب کھینچ کر "نَوج" اور جلدی سے ادا کیا ہوا، جو سُننے میں "نُچ" معلوم ہوتا تھا۔ لکھا ہوا البتہ پہلی بار آپ کے منقولہ شعر میں دیکھا۔ اِسے "نوچ" کا مخفف ہی سمجھنا پڑے گا۔"

یہ بات بہ خوبی قابلِ تسلیم ہے کہ "نَوج" جو بہ فتحِ اوّل ہے، مخفف ہو کر زبان سے اِس طرح ادا ہوتا ہو کہ پہلے حرف میں پیش کی آواز شامل ہو جاتی ہو۔ اِسی بنا پر میں نے "نُچ" بہ ضمِ اوّل لکھا ہے۔

(۸۸۱) سب نسخوں میں "کلبے کی تے ہے"۔ اِس سے پہلے یہ لفظ شعر ۷۶۱ میں آیا ہے اور وہاں یہ مذکر ہے [ہَول آتا ہے] اور زیرِ بحث شعر میں یہ بہ تانیث آیا ہے۔ اِس سلسلے میں نور کے اندراجات توجہ طلب ہیں۔ لفظِ "ہَول" کے تحت لکھا ہے :

" بالفتح، خوف، دہشت، ڈر۔ [شوق] اپنا تو جی بھی تھرتھراتا ہے ؛ تیرے دیدے سے ہول آتا ہے۔" ظاہر ہے کہ نور میں شعر صحیح طور پر نقل نہیں ہو پایا۔ اصلاً متعلقہ شعر

305
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:44
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

یوں ہیں :

بر، مرا دل بھی تھرتھراتا ہے ۔۔۔ سُن کے، لرزہ خدا کا آتا ہے [ف۴۶۰]
درگذر کسی طرح کروں حق سے ۔۔۔ ہَول آتا ہے خونِ ناحق سے [ف۴۶۱]

نور میں دوسرا مصرع معلوم نہیں کہاں سے آگیا۔ اِسی لفظ کے سلسلے میں اِس کے بعد مولّفِ نور نے لکھا ہے: "اضطراب، گھبراہٹ۔ بیگمات اِس معنی میں مونث بولتی ہیں۔ نواب مرزا شوق: آج پر کیا ہے کچھ بھر آئیں گے :: ہول کا ہے کی بے سمجھ لیں گے۔" یعنی "ہَول"، دہشت، خوف اور ڈر کے معنی میں مذکر ہے اور گھبراہٹ اور اضطراب کے مفہوم میں بیگمات کی زبان پر مونث ہے۔ اُن کے اِس قول کی مکمل طور پر تائید ہوتی ہے شوق کے اِن اشعار سے۔ "ہول جول" بھی اِسی نسبت سے مونث ہے۔ ایک بات اور: نور میں آخری شعر کا مصرع یوں ہے: "آج پر کیا ہے کچھ بھر آئیں گے"۔ اختلافِ نسخ کے ضمیمے میں اِس کی نشاندہی کردی گئی ہے کہ س، م، خ اور گلزار میں یہ مصرع اِسی طرح ہے، البتہ ع میں یوں ہے: "آج پر کیا ہے کل بھر آویں گے۔" یعنی مولّفِ نور کے سامنے نسخۂ س یا نسخۂ م تھا یا نسخۂ گلزار، یا کوئی ایسا نسخہ جو ان میں سے کسی نسخے پر مبنی تھا۔ البتہ "آویں گے" نور میں "آئیں گے" بن گیا ہے۔

(۹۰۱) پہلے مصرعے میں "اچھّی" بھی پڑھ سکتے ہیں اور "اچھے" بھی کہہ سکتے ہیں۔ خاتون کی نسبت سے بہ ظاہر اچھی مرجح معلوم ہوگا، مگر میری رائے میں حُسنِ بیان کے لحاظ سے "اچھے" بہتر ہے۔ "اچھی" میں تخصیص ہوگی اِسی خاص موقعے کی، اور "اچھے" میں اِس کی حیثیت ایک عمومی قول کی ہوگی، جو حسینوں پر بہ طورِ عموم صادق آئے گا۔ اِس وجہ سے میں نے یہاں "اچھے" کو مناسب تر خیال کیا ہے۔ ع میں "اچھی" ہے اور اِس صورت میں بہ تمیز یا صورت جیسے کسی لفظ کو مقدر ماننا ہوگا، جب کہ "اچھے" میں کسی لفظ کو مقدر ماننے کی ضرورت نہیں، اِس لحاظ سے بھی "اچھے" کی ترجیح ظاہر ہے۔ اوپر کے شعر میں "گل رو جو دیکھا" آیا ہے اور وہ بھی اِسی قرائت کے حق میں ہے۔

306
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:44
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

(۹۱۴) س، م، ل، خ، گلزار، ع؛ سب نسخوں میں "پھٹ پڑے" ہے۔ یہ صراحت یوں ضروری سمجھی گئی کہ نور اور آصفیہ، دونوں میں "بھٹ پڑے" ہے اور سنہ۱ نور میں شوق کا یہی شعر لکھا گیا ہے۔ اثر لکھنوی نے نور کے اندراج پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یہ معنی قیلن سے لیے گئے ہیں، جس میں صاف صاف درج ہے کہ یہ دیہاتی زبان ہے، تاہم اُسے نواب مرزا شوق، لکھنؤ کی ٹکسالی زبان لکھنے والے کے سر تھوپا جاتا ہے، حالاں کہ عام محاورہ ہے: پھٹ پڑے سونا جس سے ٹوٹیں کان، "پھٹ" بائے فارسی سے۔" [فرہنگِ اثر، ص ۲۰۹] مزید دیکھیے اِس ضمیمے کے آخر میں۔

(۹۵۷) نور میں لفظِ "واہ" کے تحت لکھا ہے: "واہ رے: فصحا کی زبانوں پر مذکر، مونث دونوں کے واسطے یائے مجہول سے ہے۔" میں نے غور کیا، تو یہاں مجھے "واہ ری تقدیر" بہتر معلوم ہوا [جیسا کہ ع میں ہے]۔

(۹۶۸) محض احتیاطاً یہ صراحت کی جاتی ہے کہ پیشِ نظر سب نسخوں میں "تھکونہ" ہے۔

(۹۷۸) سب نسخوں میں "قبضۂ مرتضیٰ علی" ہے۔ اِس سے بہ ظاہر قبضۂ ذوالفقار مراد لیا جا سکتا ہے؛ مگر ایک تو یہ کہیں اور دیکھا نہیں گیا [یعنی "قبضۂ مرتضیٰ" سے قبضۂ ذوالفقار مراد لیا جائے]۔ دوسرے یہ کہ میں نے جس قدر حضرات سے معلوم کیا، دہلی و لکھنؤ دونوں جگہ، کسی نے اِس قسم سے واقفیت ظاہر نہیں کی۔ نیّر مسعود صاحب نے یہ خیال ظاہر کیا کہ شاید یہ "روضۂ مرتضیٰ علی" ہو، کیوں کہ "روضۂ علی" اور "روضۂ حسین" کی قسمیں کھائی جاتی ہیں۔" بہ ہر صورت یہ کلمہ بھی تحقیق طلب ہے اور میں اِس کے متعلق معلومات حاصل نہیں کر سکا۔

(۹۹۴) س، م، خ، گلزار اور نول کشوری نسخہ، اِن سب میں واضح طور پر "کٹتی ہے" لکھا ہوا ہے۔ صرف ع میں "ناک کٹنی" ہے۔ بہ ظاہر ع کا متن مرجح معلوم ہوگا، مگر میں نے "کٹتی ہے" کو برقرار رکھا، یوں کہ "کٹتی ہے" سے بھی جملہ بامعنی رہے گا اور اندازِ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:44
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

بیان میں کوئی ایسی کمی یا خرابی نہیں پیدا ہوگی جس کی بنا پر اُسے قابلِ قبول نہ سمجھا جائے۔ اِس کی نشر یوں کی جائے گی: اِسی رنڈی بازی میں ایک دن جعل سازی میں ناک کٹتی ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ "کٹنی ہے" نسبتاً بہتر ہے، مگر یہ بعد کی اصلاح ہے۔ چوں کہ "کٹتی ہے" بھی بامعنی ہے اور بے محل نہیں، اِس لیے مقررہ طریقۂ کار کے مطابق اصل متن کی پابندی اختیار کی گئی ہے۔

(۱۰۱۸) "صحنک" سے متعلق ضروری تفصیلات نور میں موجود ہیں۔ نور میں میر علی اوسط رشک لکھنوی [تلمیذِ ناسخ] کے لغت نفس اللغۃ کی عبارت بھی نقل کی گئی ہے جس میں "صحنک" سے متعلق مزید تفصیلات ہیں۔ چوں کہ رشک کے لغت کا مکمل مخطوطی نسخہ نایاب کی حد تک کم یاب ہے، اِس لیے اُن کی عبارت نقل کی جاتی ہے:

"آں طعامے باشد کہ زناں از برنج پزند و چند طبق سازند و بالائے آں جغرات و شکر ریزند، خواہ بجائے جغرات شیرانداز زند و بالائے آں قندِ سائیدہ ریزند، واز بقولات و عطر و حنا بر کنارِ آں نہند و بر اں فاتحہ جناب سیدۃ النساء دہانند۔ و زنانہ را زناں و مردانہ را مرداں خورند۔ یا آنکہ در طبقہائے معین زردہ نہند و نذرِ مذکور دہانند۔"

نیر مسعود صاحب نے میرے استفسار پر اِس سلسلے میں بعض ضروری تفصیلات سے مطلع کیا ہے:

"صحنک میں دہی، چاول، شکر کا رواج زیادہ ہے، لیکن زردہ بھی ہوتا ہے۔ یہ عموماً شادیوں میں دُلھن کی گود بھرائی کے موقعے پر، ختنے اور گھوڑے چڑھائی [یعنی ختنوں کے تندرست ہو جانے کے بعد کی رسم] کے موقعے پر ہوتی ہے۔ مراد بر آنے کے لیے بھی مانی جاتی ہے۔ زنانہ، مردانہ دونوں طرح کی ہوتی ہے۔ مردانہ صحنک پر رسولِ خدا، حضرت علی، شہدائے کربلا کی نذر

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:44
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

دی جاتی ہے۔ زنانہ صحنک پر جناب سیّدہ کی نذر ہوتی ہے۔ یہ "بی بی کی صحنک" بھی کہلاتی ہے۔ بند کمرے میں ہوتی ہے اور پہلے چھٹے عورتیں چکھتی ہیں۔ مرد اسے چھو نہیں سکتے، بلکہ اُس بند کمرے میں چھوٹا لڑکا تک نہیں جا سکتا۔ اُن چھٹے خواتین کا سیدانی ہونا پہلے ضروری تھا، اب اِس شرط کی سختی کے ساتھ پابندی نہیں ہوتی۔ اُن خواتین کے چکھنے کے بعد بیاہیاں، بن بیاہیاں، سیدانیاں، غیر سیدانیاں سبھی چکھ سکتی ہیں۔ اُن کا پاک ہونا شرط ہے۔ پاک اس معنی میں بھی کہ غسل وغیرہ کی حاجت نہ ہو اور اِس معنی میں بھی کہ لباس یا بدن پر کسی قسم کی نجاست نہ ہو۔ "پاک دامن" ہونا ظاہر ہے کہ ضروری ہے۔ لیکن یہ امر اعتباری ہے اور یہ اعتبار مسلم گھرانوں کی خواتین کو حاصل ہے، یعنی اُن کے بارے میں یہ تفتیش نہیں کی جاتی کہ وہ پاک دامن ہیں یا نہیں۔ صحنک کی ترکیب وہی ہے جو رشک نے لکھی ہے یعنی پکے ہوئے سادہ چاول، اُن پر دہی، اُس پر شکر۔"

ضمنی طور پر رشک کے لُغت نفس اللغۃ سے متعلق بعض ضروری باتیں لکھی جاتی ہیں۔ یہ لغت صرف حرفِ ت تک چھپا ہے، مگر اِس کا ثبوت موجود ہے کہ یہ مکمل ہو چکا تھا اور یہ بھی معلوم ہے کہ اِس کے خطی نسخے سے متعدد حضرات نے استفادہ کیا ہے۔ نور میں "صحنک" کے تحت جو عبارت نقل کی گئی ہے، وہ اِس پر دلالت کرتی ہے کہ مؤلفِ نور نے اِس لُغت کے اُس نسخے سے استفادہ کیا ہے جو حرفِ صاد تو بہر طور مکمل تھا۔ امیر مینائی نے لفظِ "مسالا" کی بحث میں اِس لغت کی عبارت نقل کی ہے، ملاحظہ ہو مکاتیبِ امیر مینائی، مرتبہ احسن اللہ خاں ثاقب، مکتوب بہ نام نور الحسن نیّر کاکوروی [مؤلفِ نور اللغات]۔ اِس سے حرفِ میم تک مکمل ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ نیّر مسعود صاحب نے مطلع کیا ہے کہ "اِس کا ایک عمدہ نسخہ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:44
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

خاندانِ امیس میں موجود تھا..... یہ نسخہ پاکستان چلا گیا تھا۔ یہ بھی خیال آتا ہے کہ اِس کا ایک مکمل نسخہ کتب خانۂ محمود آباد میں بھی ہے" [مکتوب بہ نام راقم الحروف]۔
یہ ساری اطلاعات اِسی پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ لغت مکمل ہو چکا تھا اور اِس کے ایک سے زیادہ خطی نسخے موجود تھے۔

(۱۰۸۱) سب نسخوں میں دوسرا مصرع اِسی طرح ہے [جو نہ کرنا تھا وہ مروّت کی]۔ بہ ظاہر "جو نہ کرنا تھی" کا محل معلوم ہوتا ہے، مگر میں نے اصل متن کو بدلنا مناسب نہیں سمجھا، کیوں کہ مجھے اِس کا یقین نہیں کہ یہاں لازماً غلطیِ کتابت ہے۔ اِس کا بہ خوبی امکان ہے کہ شاعر نے اِسی طرح لکھا ہو۔ اشاعتِ اوّل کے بعد نظرِ ثانی شدہ اشاعتِ ثانی میں بھی یہی ہے اور اِس سے اِسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔ شعر ۱۶۴۳ میں بھی ایسی ہی صورت سامنے آتی ہے۔ اُس شعر کے تحت اِسی ضمیمے میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ قطعیت کے ساتھ چوں کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ غلطیِ کتابت ہے، اِس لیے متن کو بدلنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ یہی بات اِس شعر کے سلسلے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔

(۱۰۹۲) سب نسخوں میں دوسرا مصرع اِسی طرح ہے۔ اِس میں "نہ" کا استعمال توجّہ طلب ہے۔

(۱۱۰۵) نور میں "چوکھٹ نہ جھانکنا" کے تحت اِس شعر کو بہ طورِ سند درج کیا گیا ہے، اُس میں دوسرا مصرع اِس طرح ہے: "اب تو جھانکوں نہ تیری چوکھٹ بھی"۔ میرے سامنے اِس مثنوی کے جو نسخے ہیں، اُن میں سے کسی میں "جھانکوں" نہیں (دیکھیے اختلافِ نسخ)۔

(۱۱۲۳) س، م، خ، گلزار؛ سب میں "آری" ہے۔ یہ لفظ اِس مثنوی کے شعر ۲۱۰ اور شعر ۱۱۹۸ میں بھی آیا ہے اور اُن دونوں شعروں میں سب نسخوں میں "عاری" ہے۔ نول کشوری نسخے اور ع میں ہر جگہ "عاری" ہے۔
امیر مینائی نے ایک خط میں لکھا ہے: "آری، میرے نزدیک ہندی ہے، اِس لیے کہ "عاری" زچ و تنگ و عاجز کے معنوں میں فارسی عربی میں کہیں نظر سے نہیں گذرا۔ ہندی میں تو عین سے لکھنا خلافِ اصول ہے۔ ہندی میں عین کہاں" [مکتوب بہ نامِ مؤلفِ

310
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:44
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

نور اللغات۔ مکاتیبِ امیر مینائی، مرتبۂ احسن اللہ خاں ثاقب، طبعِ دوم]۔ امیر اللغات اور نور اللغات میں "آری" ["عاری" کے معنوں میں] ردیفِ الف میں مندرج ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ "آری" غلطیِ کتابت نہیں، اِس لفظ کا یہ املا زیرِ بحث رہا ہے [اگرچہ بہ طورِ عموم "عاری" مستعمل رہا ہے]۔ چوں کہ "عاری" اور "آری" دونوں کی سند مل جاتی ہے، اِس لیے میں نے اِن دونوں شکلوں کو اپنی اپنی جگہ برقرار رکھا ہے، یوں کہ املا کا یہ اختلاف غیر حقیقی نہیں۔ اِسی بنا پر زیرِ بحث شعر میں س، م، خ، گلزار کے مطابق "آری" لکھا گیا ہے اور شعر ۱۱۱۰ اور ۱۱۸۸ میں چوں کہ سبھی نسخوں میں "عاری" ہے، اِس لیے وہاں اِسی املا کو برقرار رکھا گیا ہے۔

(۱۳۶) "وَدود" کے معنی ہیں: دوست، بہت محبت کرنے والا [المنجد]۔ یہ خدا کا صفاتی نام بھی ہے، "یعنی نیک بندوں کو دوست رکھنے والا" [نور]۔ اِس شعر میں ایسا کوئی اور لفظ بھی آ سکتا تھا جو خدا کا صفاتی نام ہو [خدا کے صفاتی نام بہت سے ہیں]۔ مثنوی کے پہلے شعر میں اِس لفظ کو خاص کر اِس نسبت کے ساتھ لایا گیا ہے کہ یہ عشقیہ کہانی ہے اور اِس طرح اِس کہانی کو اِس لفظ کے حقیقی معنی سے نسبت حاصل ہے۔ کتاب کے شروع میں ایسا لفظ یا الفاظ لانا جن کو اُس کتاب کے موضوع سے مناسبت ہو، صناعت کے ذیل میں آتا ہے؛ اِس طرح اِس لفظ [وَدود] سے اِس شعر میں صنعتِ براعۃُ الاِستہلال کا سا انداز پیدا ہو گیا ہے۔ ["براعۃُ الاِستہلال: اُس صنعت کا نام ہے کہ جو قصہ بیان کرنا منظور ہو، اُس کا دیباچے یا اوّلِ داستان میں اشارہ کر دیں"۔ بحر الفصاحت، ص ۹۵۲]۔

دوسرے مصرعے میں یہ کہا گیا ہے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے۔ یہ متعارف خیال ہے، لیکن اِس کا امکان ہے کہ شاعر کے ذہن میں قرآنِ پاک کی یہ آیت بھی ہو، وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ [سورۂ بقرہ]۔ ایک بات اور: نور میں "ودود" کو بہ ضمِ اوّل لکھا گیا ہے۔ المنجد اور دوسرے لغات میں بہ فتحِ اوّل ہے اور یہی درست ہے۔ یہ لفظ قرآنِ پاک میں آیا ہے: وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ [سورۂ بروج]۔ اِسی نسبت

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:44
rekhta.org/ebooks/masnaw

سے واؤ پر زبر لگایا گیا ہے۔

(۱۳۶۴) اِس شعر میں بھی ایک متعارف مضمون نظم کیا گیا ہے؛ مگر یہاں اِس کا قوی امکان ہے کہ یہ آیت پیشِ نظر ہو: کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ [سورۂ رحمٰن]۔ اِس مثنوی کے مندرجۂ ذیل شعر میں واضح طور پر اِس آیت کا حوالہ آیا ہے:

صبح کو طائرانِ خوش الحان　　پڑھتے ہیں کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَان [۱۳۶۵]

اِس سے امکانِ قوی کی تائید ہوتی ہے۔

(۱۳۶۷) دوسرے مصرعے میں "کوئی خدا سمجھا" سے اشارہ ہے فرقۂ نصیری کی طرف۔ "نصیری: وہ لوگ جو حضرت علی کو خدا مانتے ہیں..... "نصیری کا خدا" کنایہ ہے حضرت علی سے۔ اے نصیری کے خدا! تجھ پر نثار :: بندگی تیری، عبادت ہوگئی (اوج)" [نور اللغات]۔

"شیعوں کا ایک غالی فرقہ، جس کے پیرو شمالی لبنان، بحیرۂ روم کے ساحل اور شام سے لے کر ترکیہ کی سرحدات تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد سات لاکھ کے لگ بھگ ہے..... نصیری حضرت علیؓ کی ربوبیت کے قائل ہیں، جو بادلوں میں سکونت پذیر ہیں۔ بادل کو دیکھ کر وہ حضرت علیؓ پر سلام بھیجتے ہیں۔ اُن کے نزدیک بجلی کی گرج، حضرت علیؓ کی آواز اور اُس کی چمک، حضرت علیؓ کی مسکراہٹ ہے..... اُن کی بعض شاخوں کا خیال ہے کہ امام حسینؓ شہید نہیں ہوئے، بلکہ کہیں غائب ہوئے ہیں..... نصیری شراب کو نور سمجھ کر حلال جانتے ہیں، اِس لیے انگور کی بیل کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے ہیں..... فرانسیسی انتداب [۱۹۲۰ء تا ۱۹۴۵ء] نے نصیریوں کا نام بدل کر "علویون" رکھ دیا، اُن کو علاحدہ قومیت قرار دیا اور اُن کو بہت سی مراعات سے نوازا اور فوج میں اُن کو زیادہ تعداد میں بھرتی کیا..... آج کل شام میں جو سوشلسٹ بعث پارٹی برسرِ اقتدار ہے، اُس کے بیشتر ارکان علوی ہیں......" [دائرۂ معارفِ اسلامیہ، جلد ۲۲، ص ۳۴۲۔ لاہور]۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:45
rekhta.org/ebooks/masnaw

(۱۲۶۸) اِس شعر میں "امداد ہوئی" عطا ہوئی کے معنی میں آیا ہے۔ اِس لفظ کے یہ معنی آصفیہ، امیر اللغات اور نور میں مندرج نہیں۔ اِن لُغات میں اِس لفظ کے متعارف معنی [مدد۔ اعانت] ملتے ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ اب یہ لفظ اِنھی معنوں میں مستعمل ہے، لیکن "عطا، بخشش، عطیّہ" کے معنی میں بھی یہ لفظ مستعمل رہا ہے۔ اساتذہ کے یہاں سے اِس کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جہاں تک لغت کا تعلّق ہے، تو اردو لغت [کراچی] میں اِس کے یہ معنی مع امثلہ موجود ہیں۔ صرف میر کا شعر نقل کیا جاتا ہے:

کون کہتا ہے، نہ غیروں پہ تم امداد کرو ہم فراموش ہوؤں کو بھی کبھو یاد کرو
[کلّیاتِ میر، مرتبہ آسی، ص ۲۵۷]

شوق کے اِس شعر کا بھی اُن بہت سی اسناد میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

(۱۲۶۹) پہلے مصرعے کے متعلق کچھ صراحت ضروری ہے۔ کسی مرکب میں دونوں لفظ مونث ہوں، اُس صورت میں اُس کے ساتھ فعلِ مونث آتا ہے۔ دونوں لفظ مذکر ہوں تو فعل بھی مذکر آتا ہے جیسے اِسی شعر کے دوسرے مصرعے میں نالہ اور درد، دونوں مذکر ہیں، اِس نسبت سے مذکر فعل [بخشا] آیا ہے۔ مشکل اُس وقت ہوتی ہے جب کسی مرکب میں ایک لفظ مذکر ہو اور دوسرا مونث۔ ایسے مرکبات کے ساتھ کبھی تو آخری لفظ کی رعایت سے فعل آتا ہے اور کبھی پہلے لفظ کی رعایت سے اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ ایسے مرکبات جس طرح سُننے میں آتے ہیں یا اساتذہ کے یہاں جس طرح آئے ہیں، اُسی طرح لکھتے ہیں۔ یا پھر لکھنے والے کی صواب دید سے اِس کا تعلّق ہوتا ہے کہ حُسنِ بیان کا تقاضا کیا ہے۔ یہ اِس لیے ہے کہ ایسے مرکبات کی تعداد معیّن نہیں، نئے نئے مرکبات بنتے رہیں گے۔ جلال نے مفید الشعراء میں ایسے مرکبات پر مفصّل بحث کی ہے۔

اِس شعر کے پہلے مصرعے میں "رنگ و خوبی" کی یہ صورت ہے کہ "رنگ" مذکر ہے اور "خوبی" مونث۔ آخری لفظ "خوبی" ہے، مگر شارح نے "عطا کیا" لکھا ہے [پہلے لفظ کی رعایت سے]۔ یہ واقعہ ہے کہ "رنگ و خوبی عطا کی" لکھا جاتا تو بیان میں

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:45
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

خاصی اجنبیت کا احساس ہوتا ــــ حُسنِ بیان کے لحاظ سے اِس مرکب کے ساتھ یہاں مذکر فعل ہی برمحل معلوم ہوتا ہے۔

اِسی انداز کا ایک مرکب "آب و گِل" بھی ہے۔ اِسے مذکر اور مونث دونوں طرح لکھا گیا ہے، مگر مذکر کم اور مونث بیش تر۔ اِس کے لیے دیکھیے اِسی ضمیمے میں شعر ۱۳۔

(۱۲۷۹) ش میں "رولاتا" [رُلاتا] ہے۔ یہی ل، ع میں ہے۔ ن میں "جلاتا" ہے۔ "آتش" کی مناسبت سے "جلاتا ہے" سامنے کا لفظ ہے اور بہ ظاہر یہی مرجح معلوم ہوتا ہے؛ مگر ایک اور پہلو بھی ہے۔ دوسرے مصرعے میں "پانی میں آگ لگانا" ہے۔ "آگ پانی میں لگانا" کے معنی ہیں: کمال عیاری اور چالاکی دکھانا، فتنہ اٹھانا، شرارت کرنا، جہاں لڑائی نہ ہوتی ہو، وہاں لڑوا دینا" [نور]۔ پانی میں آگ لگانے کی رعایت پر نظر رکھی جائے تو پہلے مصرعے میں "رُلانا" بے محل نہیں معلوم ہوگا، یعنی آنسوؤں کا منبہ برستا رہتا ہے اور عشق کی آگ اُس میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔ اِس شعر میں تاویل سے بہ ہر طور کام لینا ہوگا۔ اگر "رُلاتا ہے" رکھا جائے، تب بھی مفہوم کا اور مناسبتوں کا تعین کیا جا سکتا ہے؛ اِس بنا پر میں نے یہاں بھی ش کے متن کو ترجیح دینا غیر مناسب نہیں خیال کیا۔

(۱۲۹۴) ش میں "اُس شہر" میں "اوس" ہے۔ ل اور ن میں بھی یہی ہے۔ بہ ظاہر یہاں محل "اِس" کا معلوم ہوتا ہے۔ "اُس شہر" سے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ کسی دور کے شہر کا ذکر کیا جا رہا ہے، حالاں کہ ذکر اُسی شہر کا ہے جس کے محلے میں شاعر کا گھر تھا؛ اِس لحاظ سے "اِس" مرجع صورت قرار پائے گی۔ "اِس" اور "اُس" کا تقابل بھی خوب رہے گا اور اِس سے بیان میں حُسن پیدا ہوگا ــــ اِسی بنا پر میں نے "اِس" کو ترجیح دی ہے۔

(۱۲۹۸) اِس شعر میں "قربان" اور "جان" کو مع نونِ غنہ بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اگر اِن دونوں لفظوں کو اعلانِ نون کے ساتھ پڑھا جائے، اُس صورت میں وزنِ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:45
rekhta.org/ebooks/masnaw

عروضی میں کچھ خرابی نہیں پیدا ہوگی۔ قاعدے کے لحاظ سے تو دونوں صورتیں ٹھیک ہیں، مگر خواندگی کے لحاظ سے لفظِ "جاں" معِ نونِ غنہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوگا۔ اِس بنا پر [یعنی محض حُسنِ بیان کے لحاظ سے] اِن دونوں لفظوں کو اعلانِ نون کے ساتھ مرجّح سمجھا گیا ہے۔ متعدد اشعار میں ایسے لفظ اِسی انداز سے آئے ہیں اور عموماً اعلان و اخفائے نون کے تعین میں حُسنِ بیان کا پہلو مدِّ نظر رہا ہے۔

(۱۳۰۶) ش میں "اترتی جاتی ہیں" اور "کرتی جاتی ہیں" ہے۔ نول کشوری نسخے، ن اور ع میں دونوں مصرعوں میں "ہیں" کی جگہ "تھیں" ہے۔ یعنی اترتی جاتی تھیں، کرتی جاتی تھیں۔ ظاہراً ن اور ع کا متن مرجّح معلوم ہوگا، اِس کے باوجود میں نے ش کے متن کو برقرار رکھا ہے۔ وجہ اِس کی یہ ہے کہ یہ ایک منظر کا بیان ہے، جس کا آغاز یوں ہوتا ہے: دیکھا اک سمت جو اُٹھا کے نظر۔ پھر یہ کہ: ساتھ ہم جولیاں کبھی تھیں دو چار۔ جب پہلی بار دیکھا تو ہم جولیاں ساتھ تھیں، جو آسمان کی بہار دیکھ رہی تھیں۔ یہ پہلا منظر تھا۔ اِس کے بعد [وضاحتی بیان کے بغیر] منظر بدلتا ہے کہ ہم جولیاں چھت سے نیچے اُتر رہی ہیں، یہاں تک کہ وہ "گل رو اکیلی رہ گئی"۔ اِس لحاظ سے دیکھا جائے تو "اترتی جاتی ہیں" مناسبِ مقام نظر آئے گا۔ "اترتی جاتی تھیں" میں تو یہ دوسرا منظر، پہلے منظر کا جُز بن جاتا ہے، جو مقتضائے حال کے مطابق نہیں معلوم ہوتا۔ چوں کہ لگتی ہوئی تاویل کی یہ صورت موجود ہے، اِس لیے میں نے بہت غور کرنے کے بعد ش کے متن کو بہتر سمجھا ہے، یوں اُسی کو برقرار رکھا گیا ہے۔

(۱۳۱۴) ش میں "محوِ حُسنِ جمالِ یار" ہے، یعنی شروع کے تینوں لفظوں کے آخر میں اضافت کے زیر لگے ہوئے ہیں۔ ن میں بھی اِسی طرح ہے۔ نول کشوری نسخے میں بھی "حُسن" کے نون کے نیچے اضافت کا زیر لگا ہوا ہے۔ ع میں "محوِ حسن و جمالِ یار" ہے۔ "حسنِ جمال" کو میں غلط تو نہیں کہہ سکتا، لیکن دو باتیں اِس کے ماننے میں مانع نظر آتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ "حسن و جمال" تو متعارف مرکب ہے، لیکن "حسنِ جمال" غیر متعارف مرکب ہے، کہیں اور دیکھا نہیں گیا۔ دوسرے یہ کہ شوق کی ان تینوں

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:45
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

مثنویوں میں یہ مرکب اضافی صورت میں کہیں اور نہیں ملتا، البتہ عطفی صورت میں اِسی مثنوی میں اور اِسی بیان میں ملتا ہے :

بچھ تو کہ ہم سے اپنے قلب کا حال   کس کا بھایا ہے تجھ کو حسن و جمال [۱۳۵۴]

اِس شعر میں سب نسخوں میں، یعنی ش، اور ن میں بھی "حسن و جمال" ہے۔ اِس بنا پر یہ مان لینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ "حسنِ جمالِ یار" کرشمۂ کتابت ہے۔ اِسی بنا پر "حسن و جمالِ یار" کو ترجیح دی گئی ہے۔

(۱۳۱۷) ش اور ن میں "آپ کی" ہے۔ یہی نول کشوری نسخے میں ہے۔ ع میں "آپ کو" ہے [آپ کو بلاتی ہیں]۔ مفہوم کے لحاظ سے دونوں طرح درست ہے۔ ایسا کوئی قرینہ میرے سامنے نہیں جس کی بنیاد پر معناً کسی ایک ٹکڑے کو مرجح قرار دیا جا سکے۔ چوں کہ بہ لحاظِ معنی "آپ کی" بھی درست ہے [یعنی آپ کی اماجان بلاتی ہیں] اِس لیے اصولاً اصل نسخے کی مطابقت کو ترجیح دی گئی ہے اور اِسی بنا پر "آپ کی" کو مرجح سمجھا گیا ہے۔

(۱۳۲۶) نول کشوری نسخے، ن اور ع میں پہلے مصرعے میں "تو" کی جگہ "جو" ہے۔ اگر "جو" کو رکھا جائے تو "رنج کے مارے" کا تعلق مصرعے کے پہلے جُز سے رہے گا، یعنی : کچھ دن رنج کے مارے جو گزرے۔ اگر "تو" لکھا جائے تو اِس ٹکڑے کا تعلق دوسرے مصرعے سے ہوگا، یعنی : کچھ دن گزرے تو رنج کے مارے رخسار زرد ہو گئے۔ کہنا یہ ہے کہ "تو" سے بھی شعر پوری طرح بامعنی رہتا ہے اور معنویت کا یہ رُخ مجھے کچھ بہتر معلوم ہوتا ہے، یوں بھی یہی بہتر سمجھا گیا کہ ش کے متن کو ترجیح دی جائے اور اصولاً بھی ایسی صورت میں [یعنی اُس صورت میں جب دونوں صورتیں بامعنی ہوں] اساسی متن کو ترجیح دی جانا چاہیے۔

(۱۳۲۹) ش میں پہلا مصرع اِس طرح ہے : دل کو تھی غم سے جو فراموشی۔ نسخۂ نول کشور، ن اور ع میں "خود فراموشی" ہے۔ یہاں واضح طور پر یہ خیال ذہن میں آتا ہے کہ "جو فراموشی" معناً درست نہیں؛ "خود" بگڑ کر "جو" بن گیا ہے، یعنی یہ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:46
rekhta.org/ebooks/masnaw

کتابت کی غلطی ہے ؛ اِسی بنا پر "خود فراموشی" لکھا گیا ہے۔ ناؔمی میں بھی "خود فراموشی" ہے۔

(۱۳۲۷) سب نسخوں میں پہلا مصرع اِسی طرح ہے [زرد چہرہ ہے ارغواں کی طرح]۔ ارغواں، سرخ رنگ کے پھول کو اور مجازاً سرخ رنگ کو کہتے ہیں اور اِس میں کچھ اختلاف نہیں، مگر یہ معنی یہاں مرادِ شاعر کے خلاف ہیں۔ وہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ چہرہ زرد ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہاں "ارغواں" کے بجائے "زعفراں" ہونا چاہیے؛ یعنی، زرد چہرہ ہے زعفراں کی طرح۔ [زعفران کا پھول زرد رنگ کا ہوتا ہے]۔ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں غلطی کاتب کی ہے کہ زعفران کی جگہ ارغواں لکھ دیا گیا یا خود شاعر نے یہ غلطی کی ہے، اِسی لیے میں نے متن میں تبدیلی کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

(۱۳۳۸) پہلے مصرعے میں "کون سی" بھی پڑھ سکتے ہیں۔ چوں کہ قصّے کا تعلق ایک لڑکی سے ہے اور شعر ۱۳۳۱ میں اُس کے لیے لفظ "چھنال" آیا بھی ہے [جو تانیث کی طرف اشارہ کر رہا ہے] یوں بہ ظاہر "کون سی"، مرجّح معلوم ہوگا ؛ لیکن شعرِ زیرِ بحث کے بعد ہی جو شعر ہے، اُس میں "مہ جبیں ملا ہے" اور "حسیں ملا ہے" آیا ہے، اِس لحاظ سے بیان کی مناسبت کا تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اِس شعر میں بھی "کون سے ماہ رو" پڑھا جائے۔ اِس طرح اِن دونوں شعروں میں بیان کا تناسب کارفرما رہے گا۔ ن اور ع میں بھی "کون سے" ہے۔

(۱۳۵۲) پہلے مصرعے میں "حالِ زبوں" اور "حال زبوں" دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ دونوں صورتیں برابر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ کلمہ ایک خاتون کی گفتگو میں آیا ہے، اِس لحاظ سے بغیرِ اضافت کو بہتر خیال کیا جا سکتا ہے مگر میں قطعی طور پر کوئی رائے ظاہر نہیں کر سکتا۔ اِسے "حالِ زبوں" پڑھا جائے گا تب بھی درست ہوگا اور "حال زبوں" کہا جائے گا تب بھی صحیح ہوگا۔ میں خود اِسے اضافت کے بغیر پڑھنا پسند کروں گا، خاص کر یوں کہ ذرا آگے چل کر ایک شعر آتا ہے :

ہو گئی جب کمال حالت زار شب کو رہنے لگا اُسے بھی بخار [۱۳۷۹ م]

اس میں "حالت زار" قریب قریب اِسی طرح آیا ہے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:46
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

(۱۴۰۳) دوسرے مصرعے میں فعل کا استعمال توجہ طلب ہے۔ "دُھننا" فعلِ متعدی ہے، لیکن اِس مصرعے میں بہ طورِ فعلِ لازم آیا ہے۔ اِس کے متعدد معانی میں سے "پٹکنا، دے مارنا" بھی ہیں [نور] اور اِس مصرعے میں "دھننے لگے" اِسی مفہوم میں آیا ہے۔ بہارِ عشق کے ایک شعر میں بھی یہ فعل اِسی طرح آیا ہے:

جان و دل سوزِ غم سے بُھنتے تھے سر بہ سر ہاتھ پاؤں دُھنتے تھے [۱۱۷۲ ب]

شعر ۱۱۵۵ ب میں یہ متعدی صورت ہی میں آیا ہے: گرم آہوں سے سینہ بُھنتا تھا :: صورتِ شمع سر کو دُھنتا تھا۔

(۱۴۰۴) ش اور ع میں پہلا مصرع یوں ہے: "بحرِ الفت اسے ڈبونے لگی"۔ یہی ل اور نامی میں ہے۔ ن میں "بحرِ الفت" کے بجائے "موجِ الفت" ہے۔ اگر ش کے متن کو قبول کیا جائے تو یہ ماننا ہوگا کہ شاعر نے "بحر" کو مونث نظم کیا ہے۔ مگر بحر بالاتفاق مذکر ہے اور شوق نے اِسی مثنوی کے ایک شعر میں واضح طور پر لفظِ "بحر" کو مذکر باندھا ہے:

بحرِ الفت نے دل میں مارا جوش گر پڑا ہو کے خاک پر بے ہوش [۱۴۳۳ ب]

مگر میری مشکل یہ ہے کہ میں یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں لازماً غلطیِ کتابت ہے۔ اِس کا امکان ہے کہ شاعر نے اِسی طرح لکھا ہو۔ اِن مثنویوں میں ایسے متعدد مقامات ملتے ہیں۔ اِسی لیے میں نے ش کے متن کو برقرار رکھا ہے۔

(۱۴۰۵) ش میں "سات" ہے۔ [اِس بنا پر کہ یہ "بات" کے قافیے میں آیا ہے، اِسے "ساتھ" کے بجائے "سات" لکھا گیا ہے]۔ اِن مثنویوں میں بات اور ہات، نیز بات اور سات جیسے قوافی کئی جگہ آئے ہیں۔ اِن قوافی سے متعلق شعر ۱۲۰۸ کے تحت وضاحت کی گئی ہے۔

(۱۴۰۶) پہلے مصرعے کو دو طرح پڑھا جا سکتا ہے (۱) نہیں کچھ اِس میں آپ کا ہی قصور۔ (۲) نہیں کچھ اِس میں آپ کا بے قصور۔ پہلی صورت میں مطلب یہ نکلے گا کہ سارا قصور آپ ہی کا نہیں [یعنی کچھ تو ہے]۔ دوسری صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ اِس میں آپ کا ذرا بھی قصور نہیں۔ مجھے دوسری صورت بہتر معلوم ہوتی ہے۔ ن اور ع میں بھی اِسی طرح ہے۔

318
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:46
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

(۴۴۵) دوسرے مصرعے میں [قدیم اندازِ کتابت کی وجہ سے] بولے اور بولی، دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ پہلے مصرعے کے "اُن" کا بہ ظاہر یہ تقاضا معلوم ہوتا ہے کہ "بولے" پڑھا جائے۔ میں اِس پر کوئی دلیل تو نہیں لا سکتا، لیکن میرا ذوق اِس خاص موقعے پر "بولے" کے مقابلے میں "بولی" کو قابلِ ترجیح خیال کرتا ہے۔ ع میں اِسی طرح ہے۔ ن میں پہلے مصرعے میں "اُس" ہے اور دوسرے مصرعے میں "بولی" ہے۔ میں نے "اُن" کو بدلنا مناسب خیال نہیں کیا، خاص کر یوں کہ اُس اور اُن، یہ دو لفظ اِن تینوں مثنویوں میں جگہ جگہ کسی التزام کے بغیر آئے ہیں۔ ایک ہی شخص کے لیے ایک شعر میں "اُس" ہے اور دوسرے شعر میں "اُن"۔ اِس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ "اُن" غلطیِ کتابت ہے "اُس" ہونا چاہیے۔

(۴۴۸) ش میں واضح طور پر "ہوتا ہے" ہے۔ نول کشوری نسخے اور ع میں "ہونا ہے"۔ ن میں یہ صورت ہے کہ قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا، یوں کہ ایک نقطہ ہلکا سا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دوسرا نقطہ بھی تھا۔ یا تو اُسے مٹایا گیا ہے یا دوسرا نقطہ رکھا گیا تھا، مگر وہ نمایاں نہیں ہوسکا، مٹا مٹا سا ہے۔ یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ نامی میں بھی "ہوتا ہے" ہے ـــــ اگر "ہوتا ہے" رکھا جائے، تو سوال پیدا ہوگا کہ کون ہوتا ہے؟ اور ایسا کوئی لفظ موجود نہیں جو مفہوم کی تکمیل کرسکے، بیان میں ادھورا پن رہے گا۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ لفظِ "آدمی" یہاں مقدر ہے۔ یہ کہا تو جاسکتا ہے، مگر "ہونا" کی صورت میں اِس تاویل کی ضرورت پیدا نہیں ہوتی۔ "ہونا ہے" کی حیثیت ایک عام مقولے کی سی ہے! اِس کے باوجود میں نے اصل متن کی مطابقت کو ترجیح دی ہے کیوں کہ اُس طرح بھی شعر بامعنی رہتا ہے۔

(۴۴۹) "جو کہا تھا، ادا کیا" زبان کے لحاظ سے بے حد اجنبی طرزِ بیان ہے۔ قرض وغیرہ کے لیے ادا کرنا آتا ہے، یا پھر جیسے نماز ادا کرنا۔ جو کہا تھا، وہ ادا کیا؛ یہ کہیں دیکھا نہیں گیا۔

(۴۵۰) اِس شعر کے بعد ع میں چار شعر اور ن میں پانچ شعر لیے ہیں جوش

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:46
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

میں موجود نہیں۔ اختلافِ نسخ کے تحت اُن کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ل اور نامی میں بھی یہ زائد شعر موجود نہیں۔

(۱۴۵۲) "درگاہ" سے مراد درگاہِ حضرت عباسؓ ہے، جہاں ہر جمعرات کو، خاص کر نوچندی جمعرات کو خواتین اور مردوں کا بڑا ہجوم ہوتا تھا۔ دیکھیے اِسی ضمیمے میں شعر ۳۲۔

(۱۴۸۳) پہلے مصرعے کو دو طرح پڑھا جاسکتا ہے: غیرتِ حور، مہ جبیں نہ رہے۔ غیرتِ حور مہ جبیں نہ رہے [یعنی وہ مہ جبیں جو غیرتِ حور تھے]۔ دونوں قراتیں درست ہیں، اِسی لیے میں نے "غیرتِ حور" کے بعد کاما نہیں لگایا کہ اِس طرح قرائت کے دونوں انداز برقرار رہتے ہیں۔

(۱۴۸۷) ش اور نامی میں کج جو رکھتے تھے اپنے فرق پہ تاج "ہے۔ نسخۂ نول کشور، ن اور ع میں "کج" کی جگہ "کل" ہے۔ ۱۴۷۸ سے ۱۴۹۱ تک اشعار میں معنوی تقابل ہے، کہیں "آج" اور "کل" دونوں لفظوں کے ساتھ، جیسے: کل جہاں پر شگوفہ و گل تھے :: آج دیکھا تو خار بالکل تھے۔ اور کہیں صرف "آج" کے ساتھ، جیسے: جس چمن میں تھا بلبلوں کا ہجوم :: آج اُس جا ہے آشیانۂ بوم۔ اِس پر نظر رکھی جائے تو اِس شعر میں "کج" کو "کل" سے بدلنا ضروری نہیں معلوم ہوگا؛ اِسی بنا پر ش کے متن کو بدلنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔

(۱۴۹۶) عربی سے آئے ہوئے جن لفظوں کے آخر میں ی لکھی جاتی ہے مگر پڑھنے میں الف آتا ہے [جیسے: موسیٰ، عیسیٰ، تقویٰ] ایسے لفظوں کو فارسی میں اُن لفظوں کی طرح بھی استعمال کیا گیا ہے جن کے آخر میں اصلاً یائے معروف ہوتی ہے۔ ابوطالب کلیم ہمدانی کی ایک غزل میں ایسے کئی قوافی یک جا ہو گئے ہیں، اِس لیے اِسی ایک غزل کے اشعار کو بہ طورِ مثال پیش کرنا کافی ہوگا:

بدل کردم بمستی عاقبت زہد ریائی را — رسانیدم بآب از یمنِ مے بنیادِ تقوی را
گذشتن از جہاں ناید بپاے ہمتِ ہر کس — نباشد ہیچ معجز بہتر از تجرید عیسی را
بود آرایشِ معشوق حالِ درہم عاشق — سیہ روزیِ مجنوں سرمہ باشد چشمِ لیلی را
دو مصرعِ در سبکروحی کلیم آں طور میباید — کہ در پرواز شہرت بال باشد مرغِ معنی را

[مرزا ابوطالب کلیم ہمدانی۔ مرتبۂ شریف النسا بیگم، ص ۲۶۱]۔

320
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:46
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

اردو میں بھی یہ طریقہ کارفرما رہا ہے، مثلاً :

بے تابیِ یادِ دوست ہم رنگِ تسلّی ہے　　موجِ تپشِ مجنوں محمل کشِ لیلی ہے

[غالب ۔ دیوانِ غالب نسخۂ عرشی طبعِ اوّل، ص ۱۱۴]

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں　　وہ ستم گر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

دل گزر گاہِ خیالِ مے و ساغر ہی سہی　　گر نفس جادۂ سرمنزلِ تقوی نہ ہوا

مرگیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب　　ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسی نہ ہوا

[ایضاً، ص ۱۴۴]

اِسی طرح بہ صورتِ اضافت، جیسے :

شوخیِ اظہار غیر از وحشتِ مجنوں نہیں　　لیلیِ معنی اسدؔ محمل نشینِ راز ہے

[ایضاً، ص ۸۲]

زیرِ بحث شعر میں "لیلی" [مع یائے معروف] اِسی قاعدے کے تحت آیا ہے۔

(۱۲۹۷) پہلے مصرعے میں بہ لحاظِ وزن "خوشں الحاں" بھی پڑھ سکتے ہیں اور "خوش الحان" بھی۔ آخر الذکر میں فارسی ترکیب کی صورت میں نوؔن کا اعلان ہوگا [جس کو اساتذۂ لکھنؤ نے جائز نہیں رکھا تھا]۔ اگر "خوشں الحاں" پڑھا جائے تو دوسرے مصرعے میں "فاں" پڑھنا ہوگا جو عربی کے لحاظ سے درست نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے۔ یوں اِسے لازماً "فان" پڑھنا ہوگا اور یوں "خوشں الحان" بہ اعلانِ نوؔن کہنا ہوگا اور اِسی طرح پڑھنا چاہیے، اِسی لیے "الحان" کے نوؔن پر نقطہ لگایا گیا ہے۔ یہ خیال رہے کہ اساتذۂ لکھنؤ نے ایسی صورت میں نوؔن کے اعلان کو جائز نہیں رکھا؛ لیکن اکثر اساتذۂ دہلیؔ [مثلاً مومنؔ، غالبؔ] کے یہاں اُس زمانے تک اعلانِ نوؔن کی مثالیں ملتی ہیں۔ [میں نے ایسی بہت سی مثالوں کو اپنی کتاب زبان اور قواعد کے ایک مضمون میں یک جا کر دیا ہے]۔ علاوہ بریں، شوقؔ کی مثنوی فریبِ عشق کے ایک شعر میں واضح طور پر اعلانِ نوؔن ملتا ہے :

اور جو دل اُن کا آگیا کہیں اور　　تشنۂ خوؔن ہوگئیں فی الفور [۲۵۸]

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

اِس بنا پر اِس شعر میں "خوشس الحان" بہ اعلانِ نون کسی طرح قابلِ اعتراض نہیں ٹھہرے گا۔

(۱۵۰۳) ش میں "ڈھونڈتی" ہے۔ ن اور ع میں "ڈھونڈنے" ہے۔ برائے اندازِ کتابت کے لحاظ سے "ڈھونڈتی" کو "ڈھونڈتے" بھی پڑھا جاسکتا ہے، البتہ ت اور ن کے نقطوں کا فرق ضرور قابلِ لحاظ ہے۔ مفہوم دونوں صورتوں میں ایک ہی رہے گا۔ چوں کہ "ڈھونڈتی" بھی بامعنی ہے اور کسی طرح مخلِ معنی نہیں، اِس لیے میں نے ش کے متن کو برقرار رکھنا بہتر سمجھا ہے۔

(۱۵۰۹) عام طور پر "اگرچہ" باوجودے کہ، ہرچند، گوکہ" کے مفہوم میں آتا ہے۔ امیراللغات، نور اور آصفیہ میں یہی معنی [مع امثلہ] مندرج ہیں، مگر اردو لغت میں "اگرچہ" کے تحت یہ بھی مرقوم ہے: "اگر" کی بجائے: نہ مجھ کو عشق میں ہے جان کا نہ تن کا ہوش :. اگرچہ ہے، تو ہے اپنے ہی گل بدن کا ہوش۔ کلیاتِ ظفر ۱، ۱۱۷"
ظفر کے شعر میں "اگرچہ" اُسی طرح آیا ہے، جس طرح شوق کے اِس شعر میں آیا ہے۔ نیز بہارِ عشق کے اِس شعر میں بھی یہ لفظ اِسی طرح آیا ہے:

تو بڑی روٹی بھی اگرچہ اُٹھائے ستیاناس ہو جو باور آئے [۹۲۶]

(۱۵۱۴) ش میں دوسرا مصرع یوں ہے: بند اپنی زباں کو رکھیے گا۔ مگر اِس صورت میں قافیہ بگڑ جاتا ہے۔ دھیان اور زبان اِس شعر کے قوافی ہیں، اِس لیے "زبان" کے بعد "کو" نہیں آسکتا۔ دوسرے نسخوں میں "کو" موجود نہیں۔

(۱۵۲۰) ع کے متن میں تو "آفت کے ہیں یہ پر کالے" ہے، مگر اُس کی فرہنگ میں "آتش کا پرکالہ" ہے، "آفت کا پرکالہ" کہیں نہیں۔ ش، ن اور نسخۂ نول کشور میں "آتش کا پرکالہ" ہے اور یہی ہونا چاہیے۔ لُغت میں "آتش کا پرکالہ" ہے، "آفت کا پرکالہ" مندرج نہیں۔

(۱۵۵۷) ش، نسخۂ نول کشور اور ع میں "تجھے" ہے [یاد اتنی تجھے دلاتے جائیں]۔ ن میں "تمھیں" ہے۔ یہ جو بیان ہے، اِس میں تخاطب کے لیے جمع اور واحد دونوں صورتیں ملتی ہیں، مثلاً شعر ۱۵۶۴ کا پہلا مصرع ہے: چین دل کو نہ آئے گا تجھ بن۔

322
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

مثنویات شوق

یا اِس سے پہلے کے اشعار میں شعر ۱۵۷۲ میں دونوں مصرعوں میں "تو" آیا ہے [دل میں کُڑھنا نہ مجھ سے چھوٹ کے تو ؛ جان دینا نہ گھونٹ گھونٹ کے تو]۔ اِسی بنا پر اِس شعر میں بھی ش کے مطابق "تجھے" کو برقرار رکھا گیا ہے۔

(۱۵۷۳) ش، نول کشور، نامی اور ع میں پہلا مصرع اِسی طرح ہے۔ ن میں یوں ہے : سمجھو اِس شب کو شب برات کی رات۔ میرا خیال ہے کہ ن میں یہ تصحیح ہے مرتب کی۔ اُنھوں نے دیکھا ہوگا کہ "شب برات کی رات" تو ٹھیک نہیں، یوں اِس میں اصلاح کی [اگرچہ "شب برات کی رات" میں بھی وہی خرابی ہے جو اصل صورت میں تھی]۔ یہ محض خیال ہے، اِس کا بھی امکان ہے کہ کسی نسخے میں اِسی طرح ہو۔ بہ ہر صورت، اصل کی مطابقت ضروری ہے خواہ متن میں اِس طرح کی فاش غلطی ہو، کیوں کہ مصنف نے اِسی طرح لکھا ہے۔ جب تک ش سے قبل کا کوئی ایسا معتبر نسخہ نہ ملے جس میں متن بدلا ہوا ہو، اُس وقت تک یہی مانا جائے گا کہ شاعر نے اِسی طرح لکھا تھا۔

(۱۵۷۶) ع میں پہلے مصرعے میں "صحبتِ یار" ہے۔ ن میں "صحتِ یار" ہے۔ ظاہر ہے کہ "صحت" کتابت کی غلطی ہے، "صحبت" ہوگا۔ بہ ہر طور اضافت کا زیر ع کی طرح ن میں بھی موجود ہے، لیکن میں نے بغیر اضافت کو بہتر خیال کیا ہے، اِس بنا پر کہ دو اشخاص میں مسلسل گفتگو ہو رہی ہے اور اِس لحاظ سے "یار" بہ طور کلمۂ خطاب بہتر معلوم ہوتا ہے۔ شاید یہ خیال کیا جائے کہ مفرد لفظ "یار" کا اِس طرح استعمال کیا مناسب ہوگا ؟ تو شعر ۱۵۸۰ میں یہ اِسی طرح آیا ہے [پھر بلائیں تمھاری یار ! لیں ہم]۔ یوں ایسا کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا۔

(۱۵۷۷) ش، ل، نامی میں پہلے مصرعے میں "رکھ دے سر اپنا" ہے اور دوسرے مصرعے میں "رکھ دو پھر اپنا"۔ ن میں شعر اِس طرح ہے : پھر مرے سر پہ رکھ دو سر اپنا ؛ گال پھر رکھ دو گال پر اپنا۔ ع میں دونوں جگہ "رکھ دو" ہے۔ میں نے دونوں جگہ "رکھ دو" کو مرجح خیال کیا ہے، محض اِس بنا پر کہ شعر ۱۵۷۴ سے ۱۵۸۱ تک امرِ غائب کے افعال آئے ہیں [ڈال دو، بٹھا لو، لگا لو، کر لو وغیرہ]۔ اور اِس شعر کے دوسرے

323

415

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

8:47
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

مصرعے میں ش میں بھی ایسا ہی فعل [رکھ دو] ہے، اِس لیے پہلے مصرعے میں بھی اگر "رکھ دو" لکھا جائے، تو حسنِ تناسب کے لحاظ سے مناسب ہوگا۔

ش اور ع کے مطابق اِس شعر میں "سر" [بہ کسرِ اوّل] "پھر" کے قافیے میں آیا ہے۔ اِس سلسلے میں یہ وضاحت کرنا ہے کہ فارسی میں "سَر" [بہ فتحِ اوّل] ہے، اِس لیے فارسی مرکّبات میں تو یہ لازماً بہ فتحِ اوّل آتا ہے، جیسے، سَر بہ سَر، سرِ محفل [وغیرہ]۔ اردو میں یہ بہ فتحِ اوّل اور بہ کسرِ اوّل دونوں طرح استعمال میں آتا رہا ہے اور آتا ہے۔ شوق کے یہاں بھی یہ دونوں تلفظ ملتے ہیں۔ بہ فتحِ اوّل کی مثال:

لے کے زانو پہ اُن کا سر بیٹھا — پائنتی سے سرہانے پر بیٹھا [۱۰۵۲]
کاٹ دے کوئی دھڑ سے سر میرا — بال بیکا نہ ہو مگر تیرا [۱۵۸۵]
پھوڑ ڈالے ہیں سب نے سر اپنے — سر و پا کی نہیں خبر اپنے [۱۷۲۹]

مؤلفِ نور اللغات نے "سر" کے تحت لکھا ہے: "فارسی، معانی اور فارسی ترکیبوں میں "سَر" بالفتح ہے۔ اردو محاورات میں بالکسر ہی فصیح ہے"۔ لیکن اِس تخصیص کو عام طور پر مانا نہیں گیا؛ یہ لفظ بہ فتحِ اوّل اور بہ کسرِ اوّل، دونوں طرح استعمال میں آتا رہا ہے اور شوق کے یہاں بھی یہی صورتِ حال ہے۔

(۱۵۹۱) ش، نامی، ل میں "اشک بہتے" ہے۔ یہی ع میں ہے۔ ن میں "بہنے" ہے۔ ظاہر ہے کہ ن میں "بہتے" کو "بہنے" بنایا گیا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ اِس مصرعے میں تعقیدِ لفظی ہے [تیرے بہتے اشک ناگوار ہیں] اُس صورت میں ادائے مفہوم کی صورت نکل آئے گی، اِسی لیے اصل متن کو بدلنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔

(۱۶۰۸) اِن تینوں مثنویوں میں کئی جگہ ساتھ اور ہاتھ، بات اور رات اور برات کے ہم قافیہ ہیں [مثلاً شعر ۲۹، ۱۴۰۵، ۱۷۴۷]۔ ش میں ہر جگہ صرف ایسی صورت میں "ساتھ" کو سات اور "ہاتھ" کو ہات لکھا گیا ہے، ویسے یہ لفظ مع ہائے مخلوط ہی ملتے ہیں۔ اِس کی مثال یہ ہے کہ شعر ۱۸۰ میں "ساتھ" اور "ہاتھ" ہم قافیہ ہیں۔ اِس شعر میں اِن دونوں لفظوں کو مع ہائے مخلوط ہی لکھا گیا ہے۔ اِس کے بعد

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:47
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

شعر ۱۶۰۴ میں "ساتھ" اور "ہاتھ" ہم قافیہ ہیں اور وہاں بھی "ہاتھ" کو "ہاتھ" ہی لکھا گیا ہے۔ اِس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قافیے کی ضرورت سے اِن لفظوں میں سے ہائے مخلوط کو حذف کردیا گیا ہے اور اِس طریقِ نگارش کا التزام ملتا ہے، یعنی ایسے جملہ مقامات پر یہی صورت ہے۔ اِس بنا پر رات وغیرہ کے قوافی میں نش کے مطابق ہر جگہ "سات" اور "ہات" لکھے گئے ہیں۔

(۱۶۳۵) واضح طور پر "اِس بن میں" کا محل ہے۔ غالباً دوسرے مصرع کے قافیے اور ردیف کی خاطر پہلے مصرعے میں "سن میں" کی جگہ "بن کے" لایا گیا ہے، مگر اِس طرح کہتے نہیں اور نہ کہیں دیکھا گیا۔

(۱۶۳۶) اِس شعر میں "ہے کیا" کی جگہ "ہی کیا" بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ ن اور ع میں "ہے کیا" ہے۔ میں یہاں قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ "ہے" یا "ہی" میں سے مرجّح کون سا لفظ ہے۔ میں نے محض اِس بنا پر "ہے" کو رکھا ہے کہ ن اور ع میں بھی اِسی طرح ہے۔

(۱۶۴۳) نش میں دوسرا مصرع اِسی طرح ہے [نہ سنا ہو کبھی جو کانوں سے] نول کشور اور نامی میں بھی یہی ہے۔ ن اور ع میں "نہ سنی ہو کبھی جو کانوں سے" ہے۔ بہ ظاہر یہ کسی مصحح نے تصحیح کی ہے۔ پہلے مصرعے میں "بات" ہے، اُس کی رعایت سے دوسرے مصرعے میں "نہ سنی ہو" لکھا گیا۔ میں نے یہاں نش کے متن کی مطابقت ضروری سمجھی ہے۔ وجہ اِس کی یہ ہے کہ اِس میں جواز کا ایک پہلو موجود ہے۔ اگر نثر میں یوں لکھا جائے کہ ، کانوں سے جو کبھی نہ سنا ہو، وہ بات آدمی سے کس طرح اُٹھے [برداشت ہو] تو اِسے غلط تو نہیں کہا جاسکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حُسنِ بیان کے لحاظ سے یوں ہوتا تو بہتر ہوتا۔ غلط ہونا اور بہتر نہ ہونا، دو مختلف باتیں ہیں۔ اگر کوئی بیان غلط نہیں، تو پھر یہ لازم نہیں کہ حُسنِ بیان کے نقطۂ نظر سے اُس میں ترمیم ضرور کی جائے۔ اور تدوین کے نقطۂ نظر سے تو مناسب ہی نہیں اِسی لیے نش کے متن کو برقرار رکھا گیا ہے۔

325
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:47
rekhta.org/ebooks/masnaw

(۱۶۳۵) ش میں "پھر مرے جیتے جی" ہے۔ یہی نامی اور نول کشور میں ہے۔ ن اور ع میں "پھر" کی جگہ "پَر" ہے۔ مفہوم کے لحاظ سے "پھر" اور "پر" دونوں لفظ با معنی ہیں۔ [میرے جیتے جی پھر اپنے مرنے کا ذکر منہ پر نہ لا]۔ ن میں یہ شعر اِس طرح ہے: "پر مرے جیتے جی تو بہرِ خدا :. اپنے مرنے کا ذکر منہ پہ نہ لا"۔ اِس متن کے لحاظ سے لازماً "پَر" آنا چاہیے، یہاں "پھر" کا کوئی محل نہیں؛ مگر ش کا جو متن ہے، اُس میں "پھر" اور "پر" دونوں کی گنجایش ہے؛ اِس لیے میں نے ش کے متن کو بدلنا ضروری نہیں سمجھا، یوں کہ مفہوم اِس سے بھی پوری طرح نکلتا ہے۔

(۱۶۸۱) ن اور ع میں دوسرا مصرع یوں ہے: مر گیا اُن کا کیا حبیب کوئی۔ یعنی "قریب" کے بجائے "حبیب" ہے۔ دونوں لفظ حقیقتاً یہاں چسپاں نہیں ہوتے۔ "قریب" قریبی عزیز، رشتے دار کے مفہوم میں آیا ہے، لیکن یہ لفظ اِس طرح استعمال میں آتا نہیں اور کہیں دیکھا بھی نہیں گیا۔ "حبیب" بھی برمحل نہیں معلوم ہوتا قریبی عزیز کے معنی میں یہ لفظ اِس طرح استعمال میں نہیں آتا۔ چوں کہ دونوں لفظوں کا احوال ایک ہی جیسا ہے، اِس لیے میں نے تقدم کے لحاظ سے ش کے متن کو برقرار رکھا ہے اور یہ مان لیا ہے کہ شاعر نے "قریب" قریبی عزیز کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ چوں کہ شوق کے یہاں ایسی ناہمواریوں کی اور مثالیں بھی ملتی ہیں، اِس لیے اِس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ نامی اور نول کشور کا متن ش کے مطابق ہے۔

(۱۶۹۳) "محل" اِس شعر میں "دِل" کے قافیے میں آیا ہے۔ دو صورتیں ہیں: یا تو یہ فرض کر لیا جائے کہ ماقبلِ حرفِ روی کی حرکت کی پابندی نہیں کی گئی اور یہ قافیے کا عیب ہے۔ یا پھر یہ مان لیا جائے کہ شاعر نے یہاں عام تلفظ پر قافیے کی بنیاد رکھی ہے۔ "محل" بہ فتحِ اوّل و دوم [مَ۔ حَ۔ ل] ہے، لیکن مفرد صورت میں یہ لفظ زبان سے ادا اِس طرح ہوتا ہے کہ حَ میں زیر کی کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ لہجے کی کارفرمائی ہے۔ ایسے متعدد لفظوں کا تلفظ اِسی طرح ہوتا ہے کہ لہجے میں حَ یا ہَ کی آواز میں ترچھا پن پیدا ہو جاتا ہے، مثلاً: احمد، بہن، ٹہلنا، بہلنا

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

[وغیرہ]: "احمد" کا تلفظ اردو میں اگر عربی کے مطابق اِس طرح کیا جائے کہ الف کا زبر بالکل اُسی طرح ادا ہو جیسے عربی میں ادا ہوتا ہے [اَحمد بروزنِ اَفضل] تو اردو کے لہجے کے لحاظ سے اِس تلفظ میں اجنبی پن پیدا ہو جائے گا اور محسوس ہوگا کہ بولنے والا تازہ وارد ہے۔ "محل" کا احوال بھی یہی ہے کہ "بہن" کی طرح اِس میں بھی ح کی آواز میں زیر کی کشش شامل ہو جاتی ہے اور یوں اِس کا تلفظ "دل" کے تلفظ سے قریب کی نسبت حاصل کر لیتا ہے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ شاعر نے اردو والوں کے لہجے کی اِسی کارفرمائی کو ملحوظ رکھ کر محل کو دل کے قافیے میں باندھا ہے۔

(۱۴۲۱) ش اور ن میں پہلے مصرعے میں "سروسینہ" ہے۔ ع میں "سروسینا" ہے۔ دوسرے مصرعے کا قافیہ "جینا" ہے [جس کے آخر میں الف ہے] اِس لیے پہلے مصرعے میں، اُس کی مطابقت کے لیے، قاعدے کے مطابق "سینا" لکھا جائے گا۔ اِس صورت میں قافیے میں تو مطابقت پیدا ہو جائے گی، لیکن ایک یہ خرابی پیدا ہو جائے گی کہ "سروسینا" مہنّد ترکیب ہے۔ اصل لفظ "سینہ" ہے، جب اسے "سینا" لکھا جائے گا، تو یہ اُس کی مہنّد صورت ہوگی۔ اساتذہ نے ایسی ترکیبوں سے منع کیا ہے، اگرچہ مثالیں ملتی ہیں، مثلاً:

کوسوں کیا تنگیِ زمانے کو ۔۔۔ کہ نہیں جاے سر اُٹھانے کو

[ذوق۔ کلیات مرتبۂ تنویر علوی، لاہور، ص ۲۹۲]

"تنگیِ زمانے" کی وہی صورت ہے جو "سروسینا" کی ہے۔ "تنگیِ زمانہ" [سروسینہ کی طرح] فارسی ترکیب ہے اور "تنگیِ زمانے" [سروسینا کی طرح] مہنّد ترکیب ہے۔

(۱۴۲۲) ن میں "جوانا مرگ" ہے، لیکن ش اور ع میں "جوانہ مرگ" ہے اور یہی درست ہے۔ اِس صراحت کی ضرورت یوں محسوس کی گئی کہ اکثر "جوانا مرگ" لکھا ہوا دیکھا گیا ہے۔ چوں کہ یہ املا بھی چلن میں آگیا ہے اور لغات میں بھی شامل ہو چکا ہے، اِس لیے درست تو یہ بھی ہے، مگر اِس شعر میں لازماً "جوانہ" لکھا جائے گا، یوں کہ پہلے مصرعے میں "زمانہ" بہ طورِ قافیہ آیا ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ "جوانہ" اور "جوانہ مرگ" دونوں فارسی میں موجود ہیں۔ احتیاطاً بہارِ عجم کی متعلقہ عبارت نقل

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:47
rekhta.org/ebooks/masnaw

کی جاتی ہے :

• جوان و جوانہ : بالفتح ، مقابلِ پیر..... و بعضے "جوانہ" بمعنیِ جوانی نیز گفتہ اند..... فردوسی : چو فردوسی اندر زمانہ نبود :. ہمی بُد کہ بخشش جوانہ نہ بود "

" جواں مرگ، جوانہ مرگ : آنکہ در جوانی بمیرد۔ کمال خجند: باآنکہ چوں چراغِ سحر شد جوانہ مرگ :. ہم دیر زیست مدعیِ زود میر ما..."

ہاں "جوانہ مرگ" نور میں بھی ہے۔

(۱۷۲۵) ش میں دوسرا مصرع یوں ہے : دیکھا جاتا نہیں یہ باپ کا حال۔ مفہومِ شعر پر نظر رکھی جائے تو واضح طور پر معلوم ہوگا کہ "یہ " یہاں بے محل ہے، "پہ" کا محل ہے، کتابت میں "پ" کا ایک نقطہ چھوٹ گیا ہے۔ ل، ن، نامی، ع : دیکھا جاتا نہیں ہے۔

(۱۷۳۰) ش اور ع میں "دوکان دار" ہے۔ ن میں "دکان دار" ہے۔ ن کے مطابق اِسے "دکّان دار" پڑھا جائے گا اور ش کے مطابق "دُوکان دار" [واؤ کے اشباع کے ساتھ]۔ "دوکان" میں واؤ کا اضافہ اُسی طرح ہوا ہے جس طرح پیش کے اظہار کے لیے "اوس" اور "پہونچا" جیسے لفظوں میں اعراب بالحرف کے طور پر ہوا تھا۔ اب یہ زائد واؤ ختم ہوگیا، اب بہ طورِ عموم "دکان" لکھتے ہیں۔ اشباع کے قاعدے کے مطابق "ہندوُستان" اور "اُوستاد" جیسے لفظ معِ اشباع نظم کیے گئے ہیں، میرا خیال ہے کہ اِس شعر میں اِسی طرح "دوکان" بھی معِ اشباع نظم ہوا ہے۔ اِسے "دُوکان" پڑھا جائے گا۔

ایک بات اور : "دُکان" اور "دُکّان" دونوں طرح درست ہے [تفصیل غیاث اللغات میں] لیکن اِس شعر میں "دُکّان" یوں نہیں لکھا جاسکتا کہ اُردو میں اِس طرح مستعمل نہیں۔ غالب کے اِس شعر میں یہ لفظ معِ اشباع آیا ہے اور دیوانِ غالب نسخۂ عرشی نیز دیوانِ کامل کالی داس گپتا رضا میں اِسے معِ واؤ لکھا گیا ہے :

خانمانِ عاشقاں دوکانِ آتش باز ہے　　شعلہ رو جب ہوگئے گرمِ تماشا، جل گیا
[نسخۂ عرشی، ص ۲۰]

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:48
rekhta.org/ebooks/masnaw

اِس کا مطلب یہی ہے کہ "دوکان" میں واو کا اشباع مانا گیا ہے اور یہ بالکل درست ہے۔ وہی صورت شوق کے اِس شعر کی ہے۔

(۱۷۸۰) ش، نسخۂ نول کشور اور ع میں پہلا مصرع اِس طرح ہے: "جو جو کرتا تھا ضبط میں نالا"۔ ن میں "جو جو" کے بجائے "جوں جوں" ہے۔ "جو جو" میں مجھے واضح طور پر غلطیِ کتابت معلوم ہوتی ہے۔ "جوں جوں" کا محل ہے، جس طرح ن میں ہے۔ اِسی بنا پر یہاں ن کی مطابقت اختیار کی گئی ہے۔

(۱۷۸۷) ش، نول کشور اور نامی میں "ضبط کر دل کو" ہے۔ ع میں "ضبط کر غم کو" ہے اور ن میں مصرع اِس طرح ہے: "ضبط کر نالہ ہو سکے جتنا"۔ یہ اصلاح غالباً اِس خیال سے کی گئی ہے کہ "نالہ ضبط کرنا" کو زبان کے مطابق اور "دل کو ضبط کرنا" زبان کے خلاف سمجھا گیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ "غم ضبط کرنا" اور "نالہ ضبط کرنا" متعارف اندازِ بیان ہے اور "دل ضبط کرنا" متعارف اندازِ بیان نہیں؛ لیکن "ضبط کرنا" معنی "روکنا، قابو، اختیار" بھی ہیں [نور، اردو لغت]۔ اور اِس لحاظ سے "دل کو ضبط کر" کو بے معنی تو کہہ نہیں سکتے۔ نالہ ضبط کرنا اور غم ضبط کرنا، سامنے کی باتیں ہیں اور یہ خیال کرنا مناسب نہیں ہوگا کہ شاعر اِن سے واقف نہیں تھا، شعر ۱۷۸۰ میں "نالہ ضبط کرتا تھا" آیا بھی ہے۔ اِس بنا پر میں نے یہاں ش کے متن سے انحراف کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ مثنوی بحرالمحبت [مصحفی] کا شعر ہے:

حوصلہ، خوں مژہ سے ہو کے بہا
ضبط پر ضبط کچھ نہ اُس کا رہا [اردو لغت]

اِسی طرح "دل کو ضبط کر" کے معنی ہوئے: دل پر قابو رکھ، دل کو روک۔

(۱۷۹۵) محض احتیاطاً یہ صراحت کی جاتی ہے کہ اِس شعر میں "مجبور" مجبوراً کے مفہوم میں آیا ہے:

"مجبور..... مجبور ہو کر کی جگہ، داغ: مجبور میرے دل کو بھی نفرت سی ہو گئی :. نقشِ وفا جہان سے اب کالعدم ہوا" [نور اللغات]۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:48
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

(۱۸۰۳) ش، نول کشور اور ع میں "زار و نزار" ہے۔ ن میں "زار و قطار" ہے۔ نور میں "زار و نزار رونا" زار زار رونے کے معنی میں مندرج ہے اور سند میں جانؔ صاحب کا یہ شعر لکھا گیا ہے:

اور لے کر چلے وہاں سے کہار روتی جاتی تھی میں تو زار و نزار

نثر لکھنوی نے فرہنگِ اثر میں نور کے اِس اندراج سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ جانؔ صاحب کے شعر میں دراصل "زاروں زار" ہے، جسے "زار و نزار" پڑھا گیا؛ مگر دیوانِ جانؔ صاحب کا جو نسخہ میرے سامنے ہے [مطبوعہ مطبعِ حیدری، رکاب گنج، لکھنؤ، سالِ طبع ۱۲۶۲ھ] اُس میں اِس شعر کا دوسرا مصرع اِس طرح ہے: روتی جاتی تھی میں تو زار و قطار [۱۷۷]۔ یوں جانؔ صاحب کی سند سے "زاروں زار رونا" اور "زار و نزار رونا" کی بحث ختم ہو جاتی ہے۔ میں قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں کتابت کی غلطی ہے۔ یعنی شاعر نے "زار و قطار" لکھا تھا، اور کاتب نے اُسے بدل کر "زار و نزار" لکھ دیا۔ میں فی الوقت قطعیت کے ساتھ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ نور کے اندراج کے مطابق "زار و نزار رونا" زار زار رونے کے معنی میں درست نہیں [جیسا کہ اثر صاحب نے لکھا ہے]۔ اِس کا امکان باقی رہتا ہے کہ "زار و نزار رونا" کو شاعر نے زار و قطار رونے کے طور پر استعمال کیا ہو اور یہ عرض کروں کہ میری رائے میں یہ بہ خوبی ممکن ہے؛ اِس لیے میں نے ش کے متن کو بدلنا مناسب نہیں سمجھا۔

(۱۸۱۹) ش اور نسخۂ نول کشور میں یہ آخری شعر ہے۔ ن اور ع میں اِس کے بعد یہ شعر بھی ہے:

عشق میں ہم نے یہ کمائی کی دل دیا، غم سے آشنائی کی

عطاؔ اللہ پالوی نے اپنی کتاب تذکرۂ مشوق میں اِس شعر کے متعلق لکھا تھا:

"تذکرے میں یہ شعر مجھے مصحفی کے ایک شاگرد نواب جلال الدولہ مہدی علی خاں بہادر مہدیؔ کے نام سے ملا" [ص ۱۲۰]۔

پالوی صاحب نے تذکرے کا نام نہیں لکھا۔ ڈاکٹر اکبر حیدری کا ایک مضمون مثنویاتِ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:48
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

شوق سے متعلق ہفت روزہ ہماری زبان [دہلی] کے شمارۂ ۲۲ر ستمبر ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا تھا، اُس میں اُنھوں نے تذکرے کا نام بھی لکھا ہے۔ زیرِ بحث شعر کو نقل کرکے لکھا ہے : " دراصل اوپر کا شعر الحاقی ہے اور جلال الدولہ نواب مرزا مہدی علی کی غزل کا شعر ہے۔ مصحفی نے اپنے تذکرے ریاض الفصحا، ص ۲۸۵ میں مہدی کی یہ غزل درج کی ہے "۔ اِس کے بعد اُنھوں نے اِس غزل کے پانچ شعر نقل کیے ہیں۔ زیرِ بحث شعر اِسی غزل کا مطلع ہے۔ اِس طرح اِس مثنوی میں اِس شعر کا بہ طورِ الحاقی شعر کے شامل ہونا متحقق ہو جاتا ہے۔

اضافہ

(۳۵۴) ف میں پہلا مصرع اِس طرح ہے : "چاہتے کچھ نہیں ہے صورت کو" نول کشوری نسخے میں یوں ہے : "چاہتے کچھ نہیں ہیں صورت کو" ["ہیں" بجائے "ہے"]۔ ع : "چاہیے کچھ نہیں ہے صورت کو"۔ ف میں "چاہتے" کے ساتھ "ہے" صاف طور پر غلطیِ کتابت معلوم ہوتی ہے۔ ع میں "ہے" کو برقرار رکھا گیا ہے اور اِس کے لیے "چاہتے" کو "چاہیے" سے بدلا گیا ہے۔ اِس کے برخلاف نسخۂ نول کشور میں "چاہتے" کو برقرار رکھا گیا ہے اور اُس کی مطابقت کے لیے "ہے" کو "ہیں" سے بدل دیا گیا ہے۔ مجھے نول کشوری متن نسبتاً بہتر معلوم ہوتا ہے، اِس بنا پر اُسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

(۸۹۵) س، م، گلزار میں پہلا مصرع اِس طرح ہے : تم تصدق کئے تیار ہوئے۔ اِس میں غلطیِ کتابت نمایاں ہے۔ خ اور نسخۂ نول کشور میں یہ مصرع اِس طرح ہے : تم تصدق گئے نثار ہوئے۔ بہ لحاظِ معنی و مفہوم اِسی طرح ہونا چاہیے [تصدق گئے۔ نثار ہوئے]۔ ع میں "تم تصدق کئے نثار ہوئے" ہے۔ ظاہر ہے کہ "تصدق کئے" یہاں برمحل نہیں۔ "نثار ہوئے" کے مقابل "تصدق گئے" آنا چاہیے۔ اِسی لیے یہاں خ اور نسخۂ نول کشور کا متن اختیار کیا گیا ہے۔

(۹۱۴) س میں دوسرا مصرع اِس طرح ہے : پھٹ پڑے سونا چتے ٹوٹیں کان۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:48
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

ع میں بھی اسی طرح ہے۔ نسخۂ نول کشور، خ اور گلزار میں یوں ہے: پھٹ پڑے سونا جس سے ٹوٹے کان۔ م میں یہاں "کان" سے پہلے جو لفظ ہے، وہ واضح نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تصحیح بنائی گئی تھی، مگر وہ لفظ پوری طرح اُبھر نہیں سکا۔ غور کرنے پر بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے جیسے "ٹوٹے" لکھا گیا ہو۔

لغات کے اندراجات میں اِس سلسلے میں پریشان کُن حد تک اختلاف ہے۔ آصفیہ میں یہ مثل اِس طرح ہے: "پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان" [پھٹ ـ ٹوٹیں]۔ نور: پھٹ پڑے سونا جس سے ٹوٹے کان۔ مثال میں بہارِ عشق کا یہی شعر لکھا گیا ہے اور اِس میں "پھٹ" اور "ٹوٹے کان" لکھا گیا ہے۔ [آصفیہ کے "وہ سونا" کی جگہ صرف "سونا"]۔ اردو لغت میں "پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان" ہے، لیکن جو دو مثالیں درج کی گئی ہیں، اُن میں سے ایک میں "ٹوٹے کان" ہے اور ایک میں "ٹوٹیں کان"۔ فرہنگِ اثر میں "ٹوٹیں کان" ہے۔

چوں کہ م میں [جو بنیادی نسخہ ہے] یہ مقام واضح نہیں اور س میں [جو طبعِ اوّل ہے] "ٹوٹیں" ہے، اِس لیے میں نے یہاں س کی مطابقت کو ترجیح دی ہے۔

(۱۰۰۶) س اور م میں مصرعِ اوّل یوں ہے: سسکی لے کر کبھی اُچھلتی تھی۔ خ، نول کشور اور گلزار میں "کبھی بپھرتی تھی" ہے۔ قافیے کی رعایت کو اگر نظر میں رکھا جائے تو "بپھرتی تھی" کو مرجّح ماننا ہوگا۔ "اچھلتی" اور "بپھرتی" میں ایطائے جلی کا عیب ہے [اُچھل ـ بپھر]۔ لکھنؤ کے مطبعِ علوی کا نسخہ [خ] مصنّف کی زندگی میں چھپا تھا۔ اِس میں صحّتِ متن کا بہت اہتمام ملتا ہے، اِس لحاظ سے اِس اشاعت کا وہ احوال نہیں جو نسخۂ نول کشور کا ہے، یہ اُس سے بہتر اور برتر ہے۔ یہاں میں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ یہ تصحیح منشائے مصنّف کے خلاف نہیں ہوئی ہوگی۔ اِسی بنا پر میں نے عمومی طریقِ کار کے خلاف یہاں خ کے متن کو مرجّح سمجھا ہے اور اُسی کی مطابقت اختیار کی ہے۔ موخّر نسخوں میں سے ع میں بھی "بپھرتی ہے"۔

(۱۰۲۸) س اور م میں پہلے مصرعے میں صاف طور پر "عزت" ہے۔ اِس کے برخلاف نسخۂ نول کشور، نسخۂ مطبعِ علوی [خ]، گلزار اور ع میں "غیرت" ہے۔ مطبعِ تیغ بہادر کا

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:48
rekhta.org/ebooks/masnaw

چھپا ہوا جو نسخہ ہے، اُس میں بھی "غیرت" ہے۔ میرے لیے یہ طے کرنا مشکل ہے کہ مرجح صورت کون سی ہے، بہ ظاہر "غیرت" بہتر معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے مصرعے [دم لگا چڑھنے، سانس بھول گئی] کی معنویت کو بہ ظاہر "غیرت" سے زیادہ مناسبت ہے۔ قطعی طور پر تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا، محض دوسرے مصرعے کی معنوی مناسبت کے لحاظ سے میں نے "غیرت" کو یہاں بہتر خیال کیا ہے۔

(۱۱۷۱) ش، ل اور نسخۂ مطبعِ نامی گرامی میں "لیا" ہے [لیا بہانہ خواب]۔ ن اور ع میں "کیا" ہے۔ "بہانہ لینا" نہ تو لغت میں ہے اور نہ کسی اور جگہ نظر سے گزرا۔ یہاں میرا خیال یہ ہے کہ "کیا" کرشمۂ کتابت کے نتیجے میں "لیا" بن گیا۔ یہ مان لینا کہ مصنف نے "لیا" ہی لکھا ہوگا، بہ ظاہر مستبعد معلوم ہوتا ہے، اِسی بنا پر میں نے "کیا" کو ترجیح دی ہے۔

(۱۱۲۵) ش میں مصرع یوں ہے، دیکھا جاتا نہیں یہ باپ کا حال۔ ل، ن، ع، نسخۂ مطبع نامی گرامی؛ سب میں "دیکھا جاتا نہیں ہے باپ کا حال" ہے۔ یعنی "یہ" کی جگہ "ہے"۔ "یہ" تو بے محل معلوم ہوتا ہے۔ اِس کا مشارٌ الیہ کہیں نہیں۔ اب یا تو یہ مان لیا جائے کہ شاعر نے "پہ" لکھا تھا، یعنی؛ دیکھا جاتا نہیں پہ باپ کا حال۔ "پہ" بہ معنیِ لیکن یہاں معناً برمحل ہے۔ یا پھر اِسے "ہے" بنا لیا جائے جیسا کہ ل، ن، ع میں ہے۔ "ہے" کے مقابلے میں "پہ" قریب کی اصلاح ہے۔ اسے "ہے" بنانا دور کی بات ہو جائے گی۔ اِس لیے میں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ اصلاً "پہ" تھا جو کتابت میں "یہ" بن گیا۔ ایک نقطے کی کمی اور بیشی عام بات ہے۔ یہ واضح کر دوں کہ یہ محض خیال ہے، لیکن یہ ضرور ہے کہ "ہے" کے مقابلے میں "پہ" مجھے زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے، اِسی لیے "پہ" لکھا گیا ہے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:48
rekhta.org/ebooks/masnaw

ضمیمہ ۲

تلفّظ اور املا

آب و گِل : دیکھیے ضمیمۂ تشریحات، شعر ۱۲۔

آپی آپ (۱۷۰۸) : اصل کلمہ "آپ ہی آپ" ہے۔ مخفف صورت میں اصولاً "آپھی آپ" ہونا چاہیے اور اس طرح استعمال میں تھا بھی؛ لیکن اساتذۂ متاخرین نے اس کے بجائے "آپی آپ" کو بہتر قرار دیا۔ مثلاً امیر مینائی نے امیر اللغات میں "آپ ہی یا آپی" کے تحت لکھا ہے: "بعض لوگ "آپی" کو "آپھی" ہاے مخلوط التلفظ کے ساتھ لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ مؤلف کی راے ہے کہ ایسے مقامات میں ہاے مخلوط التلفظ کا ترک کرنا تحریر اور تقریر میں مستحسن ہے۔" یہ وہی صورت ہے جو "یہاں" اور "وہاں" کے مخفف "یھاں" اور "وھاں" کے سلسلے میں سامنے آتی ہے کہ اساتذۂ لکھنؤ نے عموماً اِن کو ھ کے بغیر "یاں" اور "واں" مرجح سمجھا ہے۔ یہ دل چسپ بات ہے کہ آصفیہ میں "آپی" موجود نہیں۔ جن اشعار میں "آپھی" آیا ہے، اُنھیں "آپ ہی" کے تحت لکھا گیا ہے، مثلاً مؤلف نے ایک اپنا شعر بھی لکھا ہے،

"جب کوئی بھی ملا نہ ہمیں اپنا دردمند ∴ ہم آپ ہی سوگوار بنے اپنے واسطے"

یا مثلاً میر کا یہ شعر جسے "آپ ہی آپ" کے تحت لکھا گیا ہے:

آتش دل میں، حالِ بد اپنا بھلا کہوں ∴ پھر آپ ہی آپ سوچ کے کہتا ہوں کیا کہوں"

ظاہر ہے کہ اِن شعروں میں [اور ایسے دوسرے شعروں میں] "آپ ہی" کو لازماً "آپھی" پڑھنا ہوگا۔ اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں "آپ ہی" کا مخفف "آپھی" مستعمل

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:48
rekhta.org/ebooks/masnaw
3
مثنویات شوق

رہا ہے، البتہ لکھنؤ میں اِس کے بجائے "آپی" کو ترجیح دی گئی ہے۔ اِسی لیے زیرِ بحث شعر میں "آپی آپ" لکھا گیا ہے۔ اِس کے لیے ایک قوی قرینہ بھی موجود ہے: شعر ۱۳۸۶ میں "نام ہی نام" کی جگہ "نامی نام" آیا ہے:

باب نہ رستم نہ سام باقی ہے :. اک فقط نامی نام باقی ہے

"نام ہی نام" کو "نامی نام" لکھا جاتا تو بہت اجنبی شکل بن جاتی۔ اِس کے قیاس پر "آپ ہی آپ" کی مخفف شکل "آپی آپ" بہ خوبی قابلِ قبول ٹھہرتی ہے [ع میں "نام ہی نام" ہے۔ ظاہر ہے کہ اِس طرح مصرع بحر سے خارج ہو جاتا ہے۔ ش میں صحیح طور پر "نامی نام" ہے]۔

آتش (۱۲۷۹) : فارسی لغت میں اِسے بہ فتحِ تا اور بہ کسرِ تا، دونوں طرح لکھا گیا ہے۔ غیاث اللغات کے اِس اندراج سے اِس کی وضاحت ہو جاتی ہے: "آتش، بالفتح وکسرِ فوقانی، ہر دو درست است، از جہانگیری و سراج اللغات۔ و در برہان بہ کسرِ تا"۔ برہانِ قاطع کے ایرانی مرتب ڈاکٹر معین نے اِس کے حاشیے میں تِ کی حرکت کے متعلق تو کوئی صراحت نہیں کی، لیکن اُنھوں نے ایران کی مختلف علاقائی زبانوں اور قدیم زبانوں میں اِس لفظ کی اصل صورت کی نشان دہی کی ہے اور اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً تو تیسرا حرف مفتوح تھا، البتہ ایک دو علاقائی زبانوں میں یہ مکسور بھی رہا ہے اور اِس سے اختلافِ تلفظ کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے، ساتھ ہی تائے مفتوح کی ترجیح بھی ظاہر ہوتی ہے۔ فارسی شعرا کے یہاں "آتش" عموماً سرکش اور مشوش جیسے لفظوں کا ہم قافیہ ملتا ہے اور اِس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اساتذۂ فارسی نے بہ طورِ عموم اِس لفظ کو بہ فتحِ تا مانا ہے، یوں "آتش" بہ فتحِ تِ مرجح قرار پاتا ہے۔

اُردو لغت نویسوں نے اِس لفظ میں اختلافِ حرکت کا ذکر ضرور کیا ہے، مگر اُن کے اندراجات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب بہ فتحِ تِ کو مرجح سمجھتے تھے۔ مثلاً مولفِ نور نے لکھا ہے: "آتش۔ بہ کسرِ تا، بہ فتحِ تا دونوں طرح صحیح ہے،

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

لیکن اساتذہ کے کلام میں عموماً بہ فتحِ دوم پایا جاتا ہے۔" یہی بات امیر مینائی نے امیر اللغات میں لکھی ہے۔ اُنھوں نے اپنے لغت میں اِسے صرف تَ کے زبر کے ساتھ درج کیا ہے اور لکھا ہے: "اور حق یہی ہے کہ جہاں تک تتبع کیا گیا "سرکش" اور "مشوش" وغیرہ کے قوافی میں پایا گیا۔"

آصفیہ میں بھی اِسے صرف تَ کے زبر کے ساتھ [آتَش] لکھا گیا ہے۔ مؤلف نے وضاحت بھی کی ہے: "جہاں تک فارسی اشعار ہماری نظر سے گزرے ہیں، ہم نے برابر "سرکش" اور "مشوش" وغیرہ کے ساتھ "آتَش" کا قافیہ پایا۔" اِسی وجہ سے تَ پر زبر لگایا گیا ہے۔

آخرِ کار (۵۸۶): اِس شعر میں وزن کے لحاظ سے اِس مرکب کو مع اضافت اور بغیرِ اضافت، دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ آصفیہ میں اِسے صرف مع اضافت لکھا گیا ہے۔ امیر میں بھی مع اضافت درج کیا گیا ہے، مگر اُس میں آخر میں یہ صراحت بھی ملتی ہے: "زبانوں پر بلا اضافت زیادہ ہے۔" نور میں اِسے مع اضافت لکھا گیا ہے، لیکن یہ بھی لکھا گیا ہے، "زبانوں پر بلا اضافت زیادہ ہے۔" [یہ دراصل امیر کی عبارت کو نقل کر لیا گیا ہے]۔ ہاں نور میں بغیرِ اضافت کی مثال میں شوق کا یہی شعر درج کیا گیا ہے۔ اثر لکھنوی نے اِس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "مجھے اتفاق نہیں۔ "آخرکار" زیادہ تر با اضافت بولا جاتا ہے۔ شوق کا شعر بلا اضافت کی سند نہیں ہو سکتا۔ بہ اضافت پڑھیے یا بلا اضافت، شعر موزوں رہتا ہے، صرف زحاف بدل جاتا ہے۔" [فرہنگِ اثر، ص ۱۰۸]۔ یہ دل چسپ بات ہے کہ اِس مرکب کے تحت جس قدر شعر لغات میں درج کیے گئے اُن سب میں یا تو وضاحتاً یہ مع اضافت نظم ہوا ہے [بہ لحاظِ وزن] یا پھر یہ صورت ہے کہ وزن کے لحاظ سے اِسے دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ شعرا نے اِسے اکثر مع اضافت نظم کیا ہے، مثلاً:

آخرِ کار نہ پیداست کہ در تن فسرد　　کفِ خونیکہ بداں زینتِ دامے ندہی [غالب]
آخرِ کار جب جہاں سے گیا　　ہاتھ خالی کفن سے باہر تھا [میر]

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

8:49

rekhta.org/ebooks/masnaw

آخرِ کار تو خاک ہے مسکن اُن کا اہلِ دولت کو بلند آج مکاں کرنے دو [آتش]

یہ کلمہ اِسی مثنوی کے اِس شعر میں آیا ہے اور لازماً مع اضافت نظم ہوا ہے :

پہلے راتوں کی نیند جاتی ہے آخرِ کار موت آتی ہے [۶۳۶]

اِن وجوہ سے زیرِ بحث شعر میں بھی اِسے مع اضافت پڑھنا مرجّح ٹھہرے گا۔ اِسی لیے اِسے مع اضافت لکھا گیا ہے :

اِس سلسلے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ نوراللّغات میں "آخرِ کار" کو مع اضافت لکھا گیا ہے اور سند میں آتش کا وہ شعر بھی لکھا گیا ہے جسے اوپر پیش کیا گیا ہے۔ اِس اندراج کے بعد امیراللّغات کے اِس فقرے کو قوسین میں درج کیا گیا ہے : "زبانوں پر بلا اضافت زیادہ ہے" اور اُس کے آگے بطورِ مثال شوقؔ کا یہی شعر [اتنے میں ایک روز......] لکھا گیا ہے۔ اِس سے واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ شوقؔ کے اِس شعر میں یہ کلمہ بغیرِ اضافت نظم ہوا ہے حالاں کہ اِس شعر کی حد تک یہ بات قطعیت کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ اِس میں یہ لفظ بغیرِ اضافت آیا ہے، یوں کہ وزن کے لحاظ سے اِسے مع اضافت اور بغیرِ اضافت، دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ اثرؔ لکھنوی نے بھی اِس کی صراحت کی ہے۔ مولّفِ نور نے شوقؔ کے اِس شعر کو غلط طور پر بہ طورِ سند پیش کیا ہے۔

آری : دیکھیے ضمیمہ تشریحات میں شعر ۱۲۲۳ کے تحت۔

اَچنبھا (۱۷۵) ، ف اور ش میں اِسی طرح ہے۔ یہ اِس لفظ کا قدیم مروّج املا ہے، اِس لیے اِس کو برقرار رکھا گیا ہے۔

اِسرار (۵۰۸) : آسیب، جن کا سایہ، پری کا سایہ ؛ اِن معنوں میں یہ لفظ بہ کسرِ اوّل ہے اور بطورِ واحد مستعمل ہے۔ آصفیہ، امیر، نور ؛ سب میں اِس کی صراحت موجود ہے۔

اِکسیر (۱۲۵۵) : محض احتیاطاً یہ صراحت کی جاتی ہے کہ یہ لفظ بہ کسرِ اوّل ہے اور اِس میں کچھ اختلاف نہیں۔ اُردو لغات [امیراللّغات، نور، آصفیہ، اردو لغت] میں بھی اِسے بالکسر ہی درج کیا گیا ہے۔ بلکہ نور میں یہ صراحت بھی کر دی گئی ہے کہ "بالفتح غلط ہے"۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

اَمّاجان (۱۳۱۷) : پُرانی خطی تحریروں میں نیز مطبوعہ کتابوں میں "امّاں" اور "امّا" دونوں شکلیں ملتی ہیں۔ آصفیہ میں بھی "امّا یا امّاں" ہے۔ چوں کہ "امّا" بھی درست اور مستعمل صورت ہے، اِس لیے اِس لفظ کے اِس قدیم املا کو بدلنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ ہاں یہ بات رہ گئی تھی کہ ش میں "امّاجان" ہے، البتہ ع میں "امّاں جان" ہے۔

بانہیں (۱۵۵۱) : ش، ن، ع ؛ تینوں نسخوں میں "باہیں" ہے۔ "بانہہ" میں نونِ غنّہ جزوِ لفظ ہے۔ لغات میں التزام کے ساتھ اِسے مع نونِ غنّہ لکھا گیا ہے [آصفیہ، نور، پلیٹس کا لغت]۔ "باہیں" لکھا جائے تو اِس کا واحد "باہ" ہوگا، جو بالکل دوسرا لفظ ہے۔ اِسی بنا پر اِسے مع نونِ غنّہ لکھا گیا ہے۔

بَلَند (۴۹۰) : فارسی لغات میں یہ لفظ بہ فتحِ اوّل، بہ کسرِ اوّل اور بہ ضمِ اوّل ہے [تفصیل غیاث اللغات میں] لیکن صاحبِ غیاث نے یہ بھی لکھا ہے کہ "بہ فتح افصح است"۔ نور میں فارسی کے مطابق حرفِ اوّل کی تینوں حرکات لکھ دی گئی ہیں لیکن ترجیح کی صراحت نہیں۔ آصفیہ میں ب پر زبر لگا ہوا ہے۔ میں نے غیاث کی صراحت کے مطابق [کہ زبر کے ساتھ فصیح تر ہے] اور آصفیہ کے اندراج کے مطابق ب پر زبر لگایا ہے۔ [آصفیہ میں "بلند" کے جملہ متعلقات میں التزاماً ب پر زبر لگایا گیا ہے۔

بُتوں ؛ دیکھیے اِس ضمیمے کے آخر میں۔

بھتیج (۱۵۷۶) ؛ ش میں اِسی طرح ہے۔ ع میں "بھتینج بھتینج" ہے۔ "بھیجنا" اور "بھینچنا" دونوں املا ملتے ہیں۔ بحرالبیان میں "بھینچنا" ہے۔ نور میں "بھیچنا" ہے۔ پھر "بھینچنا" کے تحت لکھا گیا ہے : "دیکھو بھیچنا"۔ اِس سے معلوم ہوا کہ موٗلف کے نزدیک مرجّح صورت بغیرِ نونِ غنّہ ہے۔ آصفیہ میں صرف "بھیچنا" [بغیرِ نون] ہے۔ اِسی بنا پر یہاں ش کے املا کو ترجیح دی گئی ہے۔

بےوَقوف (۲۲۷) : اصل لفظ "وُقوف" ہے، لیکن "بے وقوف" بہ معنیِ احمق جنند ہے۔ نور میں واو پر کوئی حرکت نہیں، لیکن آصفیہ میں "بے وَقوف" اور "بے وَقوفی" ہے۔ اِسی نسبت سے واو پر زبر لگایا گیا ہے۔ مستعمل بھی اِسی طرح ہے۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

8:49
rekhta.org/ebooks/masnaw

پانْچے (۷۰۳) : نورؔ میں "پانْچا" ہے اور آصفیہ میں "پائینچہ" [مع اضافۂ یاؔ] ہے مستعمل بغیرِ یٰؔ ہے اور شعر میں بھی اِسی طرح آیا ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ آصفیہ میں "پائینچہ بھاری ہونا" کی سند میں یہ شعر لکھا ہوا ہے :

پائینچہ بھاری کیا تھا، توبہ کی تھی سن کے دِس
آج نوچندی میں بی راحت کا ڈولا پھر گیا

اِس میں بھی "پائینچہ" لکھا ہوا ہے، مگر شعر میں "پانْچہ" نظم ہوا ہے۔ اِس سے یہی خیال ہوتا ہے کہ "پانْچہ" کی جگہ "پائینچہ" محض کرشمۂ کتابت ہے۔

اِس لفظ کو نورؔ و آصفیہ دونوں میں "اردو" لکھا گیا ہے۔ نورؔ میں یہ صراحت بھی کی گئی ہے : "یہ لفظ فارسی "پائچہ" کا بگاڑا ہوا ہے"۔ فارسی میں "پایچہ" [مع یٰؔ] ہے، مگر ذرا مختلف معنی میں :

"پایچہ : بروزنِ پارچہ، تنبان و شلوار باشد و آنرا بعربی "رجلان" خوانند"۔ [برہانِ قاطع]۔

"پایچہ" کی اردو شکل "پانْچا" یا "پانْچہ" ہے۔ اردو ہونے کے لحاظ سے واحد صورت میں "پانْچا" مرجّح قرار پائے گا اور جمع کی صورت میں "پانْچے"۔

پاؤں : اِس لفظ کو کئی طرح لکھا جاتا رہا ہے۔: پانو، پانوں، پانوؔں، پاؤں۔ اِن میں سے پہلی اور آخری صورت چلن میں زیادہ رہی ہے۔ مرزا غالب نے "پانو" کو صحیح بتایا ہے۔ اُن کی جس غزل کی ردیف "پانو" ہے، وہ اُن کے دیوان میں بھی حرفِ واؔو کی ردیف میں۔ لکھنؤ میں "پاؤں" زیادہ دیکھنے میں آیا ہے۔ بہ قولِ شوقؔ نیموی : "دلّی والے "پانو" لکھتے ہیں اور ردیفِ واؔو میں لاتے ہیں۔ اور لکھنؤ والے "پاؤں" لکھتے ہیں اور ردیفِ نونؔ میں داخل کرتے ہیں۔ اور بعضے "پانوں" بھی لکھتے ہیں" [اصلاح، ص ۱۸]۔ شوقؔ شاگرد تھے آتشؔ کے اور آتشؔ کی جس غزل کی ردیف "پاؤں" ہے، وہ حرفِ نونؔ کے تحت آئی ہے۔ قیاس کے لیے یہ قرینہ کافی ہے، اِسی لیے اِن مثنویات میں اِس لفظ کے اِسی املا

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

8:49
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

کو ترجیح دی گئی ہے۔

پریشانی (۱۳۵۶) : مولانا احسن مارہروی نے ایک خط میں لکھا ہے : "پریشاں میں دلّی والوں کی زبان سے اکثر یاے مجہول اور لکھنؤ وغیرہ میں یاے معروف۔ غرض کہ صحیح دونوں طرح ہے" [مکاتیبِ احسن، ص ۱۳۶]۔ آصفیہ میں "پریشاں" اور اس کے جملہ متعلقات کو مع یاے معروف لکھا گیا ہے، لیکن میراثن نے مخطوطۂ گنجِ خوبی میں ہر جگہ اِس لفظ کو مع یاے مجہول لکھا ہے، یعنی التزام کے ساتھ یَ پر علامتِ مجہول لگائی ہے۔ بہ ہر صورت اِس کتاب میں "پریشاں" اور "پریشانی" کا تلفظ مع یاے معروف مرجّح ہے۔

تشنہ (۲۵۸) : نور میں "تشنہ" کو بہ فتحِ اوّل لکھا ہے۔ مزید صراحت کی گئی ہے کہ : "بہ فتحِ تا صحیح ہے، بہ کسرِ تا غلط"۔ حوالہ کوئی دیا نہیں۔ اِس کے برخلاف آصفیہ میں "تشنہ" اور "تشنگی" دونوں لفظوں میں تَ پر زبر ملتا ہے۔ اردو لغت (کراچی) میں اِن دونوں لفظوں کو بہ فتحِ اوّل اور بہ کسرِ اوّل دونوں طرح لکھا ہے۔

فارسی لغات میں سے غیاث اللغات میں یہ دونوں لفظ موجود نہیں — بہارِ عجم میں موجود ہیں مگر حرکات کی صراحت کے بغیر۔ برہانِ قاطع میں یہ دونوں لفظ موجود نہیں تھے۔ اِس لغت کے مرتب اور مشہور ایرانی زبان شناس ڈاکٹر معین نے حاشیے پر اِن کا اضافہ کیا ہے اور دونوں کو بہ کسرِ اوّل لکھا ہے [جلد اوّل حاشیہ، ص ۴۹۹]۔ پلیٹس کے لغت میں بھی یہ دونوں لفظ بہ کسرِ اوّل ملتے ہیں۔ اِن سارے اندراجات سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ یہ لفظ مختلفُ التلفظ ہیں، مگر مرجّح صورت بہ کسرِ اوّل ہے۔ اِسی بنا پر تَ کے نیچے زیر لگایا گیا ہے۔

تَواں (۳۹۲) : فارسی لغات میں اِسے بہ ضمِ اوّل لکھا گیا ہے، لیکن برہانِ قاطع کے ایرانی مرتب اور مشہور زبان شناس ڈاکٹر معین نے اِس لفظ کے حاشیے میں لکھا ہے کہ "لغۃً بہ ضمِ اوّل، در تداولِ امروز بہ فتحِ اوّل"۔ یہی صورت اردو میں ہے۔ نور

340
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:49
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

میں اِس کی صراحت کردی گئی ہے: "تواں، بہ ضمِ اوّل صحیح ہے۔ اردو میں زبانوں پر بہ فتحِ اوّل ہے"۔ آصفیہ میں بھی "توانا" اور "توانائی" کی تؔ پر زبر لگا ہوا ہے، اِسی بنا پر اِس لفظ کو بہ فتحِ اوّل لکھا گیا ہے۔

ٹکتے تھے (۱۴۹۲): "ٹکنا اور ٹنکنا، دونوں املا ملتے ہیں۔ آصفیہ میں "ٹکنا" ہے۔ نور میں "ٹکنا" کے تحت یہ صراحت کی گئی ہے کہ "اِن معنوں میں "ٹنکنا" بولتے ہیں"۔ بہ ہر صورت، یہ طے ہے کہ "ٹکنا" اور "ٹنکنا" دونوں طرح درست ہے۔ ش میں "ٹکتے" ہے، اُسی کو برقرار رکھا گیا ہے۔

جَراحَت (۶۲۵): عربی میں بہ کسرِ اوّل ہے۔ نور میں جؔ پر زبر لگا ہوا ہے اور یہ اِس لحاظ سے درست ہے کہ اردو والوں کی زبان پر عموماً بہ فتحِ اوّل ہی ہے۔ نور میں یہ صراحت بھی کی گئی ہے کہ "عربی میں بہ کسرِ اوّل"۔ اِس سے وضاحت ہوجاتی ہے کہ بہ فتحِ اوّل اردو کا تصرف ہے۔ اِسی لحاظ سے جیم پر زبر لگایا گیا ہے۔

جوں توں (۱۳۷۶): آصفیہ میں "جوں توں" کے تحت یہ صراحت کی گئی ہے: "بہ ضمِ جیم و واوِ مجہول و معروف ہر دو درست است" لیکن "جوں توں" اور "جو جوں" دونوں کو معِ واوِ معروف درجِ لغت کیا گیا ہے۔ اِس کے برخلاف میر امّن نے مخطوطۂ گنجِ خوبی میں ہر جگہ اپنے قلم سے واو پر علامتِ مجہول بنائی ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ یہ ٹکڑے معِ واوِ مجہول مستعمل تھے، یا یہ کہ وہ اِنھیں اِس طرح درست مانتے تھے۔

نور میں اِن دونوں ٹکڑوں کو معِ واوِ معروف لکھا گیا ہے [واو پر علامتِ معروف لگائی گئی ہے] اِس پر تبصرہ کرتے ہوئے اثر لکھنوی نے لکھا ہے: "لکھنؤ میں واوِ مجہول سے بولتے ہیں" [فرہنگِ اثر، ص ۳۰۲]۔

میں نے احتیاطاً اِن ٹکڑوں کو معروف و مجہول آواز کے تعین کے بغیر لکھا ہے۔ اِن کو معِ واوِ مجہول پڑھا جائے، تب بھی صحیح ہوگا اور معِ واوِ معروف کہا جائے، تب بھی غلط نہیں ہوگا۔ [اثر مرحوم کے قول کے مطابق ترجیح معِ واوِ مجہول کو حاصل رہے گی]۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

8:50
rekhta.org/ebooks/masnaw

جُھکانے گی (۲۳۹) : احتیاطاً یہ صراحت کرنا ہے کہ ف میں اسی طرح [بغیر نونِ غنہ] ہے۔ نور میں بھی اسی طرح درج کیا گیا ہے اور فرہنگِ اثر میں اس سے اختلاف نہیں کیا گیا۔ ع میں بھی "جُھکانے گی" ہے۔

چڑھاتی ہے (۷۹۲) : لغات میں "چڑ" اور "چڑھ" دونوں طرح لکھا گیا ہے۔ چوں کہ س، گلزار، ع؛ سب میں "چڑھاتی" ہے، اس لیے اسی املا کی پابندی کی گئی ہے۔ شعر ۸۷۸ میں "چڑھ" آیا ہے۔ وہاں دل چسپ بات یہ ہے کہ س اور گلزار میں "چڑ" ہے۔ ع میں "چڑھ" ہے۔ یہ وہی اختلافِ املا والی بات ہے۔ دونوں جگہ اِسے مع ہائے مخلوط لکھا گیا ہے۔

چُوچلا : یہ لفظ اِن مثنویوں میں کئی جگہ آیا ہے اور مختلف نسخوں میں کہیں "چونچلا" ہے، کہیں "چوچلا"۔ لغات میں بھی "چونچلا" اور "چوچلا" دونوں شکلیں ملتی ہیں [نور، آصفیہ]۔ مثنویات کے مختلف قدیم نسخوں میں "چوچلا" نسبتاً زیادہ ملتا ہے مثلاً شعر ۱۲۱۵ میں س، م، خ، گلزار اور ع؛ سب میں "چوچلا" ہے، اِس لیے اِسی املا کو ترجیح دی گئی ہے۔

چِھپ کے (۱۲۷۰) : جلاؔل لکھنوی نے اپنے لغت سرمایۂ زبانِ اردو میں لکھا ہے کہ یہ لفظ "فصحائے لکھنؤ کی زبان پر بالکسر ہے اور اہلِ دہلی کی زبان پر بالضم"۔ یہی بات نور میں لکھی گئی ہے۔ ناسخ کے شاگرد بحر لکھنوی نے اپنے رسالۂ لغاتُ المصادر، بحر البیان میں "پوشیدہ شدن" کے معنی میں "چِھپنا" بہ کسرِ اوّل لکھا ہے اور "چُھپنا" کے معنی لکھے ہیں: "رخنۂ خُرد یا کلاں بند شدن از گل درمکان، چوں سوراخِ موش یا دیوارِ شکستہ را"۔

آصفیہ میں "چُھپنا" ہے۔ اِس سے جلاؔل وغیرہ کے قول کی تائید ہوتی ہے، لیکن انشا نے جو کچھ لکھا ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں یہ لفظ فصحائے دہلی کی زبان پر بہ کسرِ اوّل تھا [ترجمۂ دریائے لطافت، ص ۲۵] — نیز ص ۲۲۴ پر لکھا ہے: "چِھپنا اور چُھپنا میں کسرے اور ضمّے کی مخالفت ہے۔ فصیح

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

8:50
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

بالکسر اور ضمّے کے ساتھ اہلِ مغل پورہ کا لہجہ ہے، اہلِ اردو کی زبان نہیں"۔

مرزا غالب نے تجبر کو ایک خط میں لکھا ہے: "مجموعۂ نثرِ اردو کا انطباع اگر میرے لکھے ہوئے دیباچے پر موقوف ہے، تو اُس مجموعے کا چھپ جانا بالفتح میں نہیں چاہتا، بلکہ چُھپ جانا بالضم چاہتا ہوں" [عودِ ہندی، مطبعِ مجتبائی میرٹھ، ص ۱۲۷]۔ ایک اور خط میں اُنھی کو لکھا ہے: "اور ہاں حضرت! وہ مجموعہ چھپے گا بالفتح، یا چُھپے گا بالضم" [ایضاً، ص ۱۲۵]۔

میراتمن نے اپنی کتاب گنجِ خوبی [نسخۂ خطّی، بہ قلمِ میراتمن] میں ہر جگہ التزام کے ساتھ حرفِ اوّل کے نیچے زیر لگایا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں یہ لفظ بہ کسرِ اوّل اور بہ ضمِّ اوّل دونوں طرح مستعمل تھا۔ مگر آخر آخر میں بہ کسرِ اوّل کی جگہ بہ ضمِّ اوّل نے رواجِ عام پایا اور اب دلّی والے "چُھپنا" کہتے ہیں۔

اہلِ لکھنؤ "چِھپنا" کہتے ہیں۔ مرزا رجب علی بیگ سرور نے شگوفۂ محبت میں ایک جگہ لکھا ہے: "یہ قصۂ یوسف جمال..... یا تو چِھپا تھا، اب چَھپا۔ جب یہ زیر زبر ہوا، تب مدِ نظر ہوا" [یہ حوالہ نیّر مسعود صاحب نے بھیجا ہے]۔ اِس سے مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔

چہ می گوئیاں (۱۵۹): لُغت میں "چمی گوئیاں" اور "چہ می گوئیاں" دونوں طرح ملتا ہے۔ س میں تو "چما گوئیاں" ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے۔ م، خ، گلزار، نسخۂ نول کشور، ع؛ سب میں "چہ می گوئیاں" ہے۔ اِسی املا کو ترجیح دی گئی ہے۔

چیونٹیوں (۱۸۷): ف میں "چیٹیوں" [بغیرِ نونِ غنّہ] ہے۔ لُغات میں "چینٹی" اور "چیونٹی" دونوں املا ملتے ہیں، مگر "چیٹی" کسی لغت میں نہیں ملا۔ ف کے کاتب کا یہ عام انداز ہے کہ ایک ہی لفظ میں کہیں نون کا نقطہ لگاتا ہے اور کہیں نہیں لگاتا۔ اِس بنا پر میں نے یہ مناسب خیال کیا کہ لغات کے اندراج کے مطابق "چینٹی" مع نونِ غنّہ کو ترجیح دی جائے۔ ع میں "چیونٹیوں" ہے۔

خاتمُ الانبیا (۴۲۴): "خاتم" بہ فتحِ سوم اور بہ کسرِ سوم، دونوں طرح صحیح ہے [المنجد]۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:50
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

قرآنِ پاک میں بہ فتحِ تا "خاتَم" آیا ہے [سورۂ احزاب، آیت ۴۰]۔ چوں کہ "خاتم الانبیا" عربی ترکیب ہے، اِس لیے اِسے بہ فتحِ تا "خاتَم الانبیا" مرجّح سمجھا گیا ہے۔

خُروش (۱۶۹۵): فارسی میں خ پر پیش ہے۔ نور میں صرف فارسی کا تلفظ لکھا گیا ہے، لیکن آصفیہ میں خ پر زبر لگا ہوا ہے اور یہ اردو میں استعمالِ عام کے عین مطابق ہے۔ اِسی کی مطابقت اختیار کی گئی ہے۔ ہاں نور میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ فارسی میں واو معروف ہے۔ یہ درست نہیں۔ فارسی میں واو مجہول ہے [برہانِ قاطع]۔ اردو میں بھی واو مجہول ہے۔

خزاں (۶۰۸): فارسی لغات [بہارِ عجم، برہانِ قاطع، غیاث اللغات] میں اِسے بہ فتحِ اوّل لکھا گیا ہے۔ نور میں یہ لکھا گیا ہے کہ اِس میں اختلافِ حرکت ہے کہ بہ فتحِ اوّل بھی لکھا گیا ہے اور بہ کسرِ اوّل بھی۔ آصفیہ میں اِسے صرف بہ کسرِ اوّل لکھا گیا ہے۔ ہاں مولف نے یہ صراحت ضرور کر دی ہے کہ اِس لفظ کو بہ فتحِ اوّل اور بہ کسرِ اوّل، دونوں لکھا گیا ہے۔ [کن لغات میں بہ کسرِ اوّل لکھا گیا ہے، اِس کا حوالہ نہ مولفِ آصفیہ نے دیا اور نہ مولفِ نور نے]۔ یہ بات ضرور ہے کہ اردو میں زبانوں پر بہ طورِ عموم بہ کسرِ اوّل "خِزاں" ہے اور صاحبِ آصفیہ نے جو "خِزاں" لکھا ہے، یہ دراصل اُردو کے تلفظ کی نشان دہی ہے۔ پلیٹس کے لغت اور اردو لغت میں اِسے بہ فتحِ اوّل اور بہ کسرِ اوّل، دونوں طرح درج کیا گیا ہے۔ فیلن نے اپنے لغت میں اِسے صرف بہ کسرِ اوّل لکھا ہے اور یہ اردو میں استعمالِ عام کے مطابق ہے۔ آصفیہ کے مطابق خ کے نیچے زیر لگایا گیا ہے۔

خَیلا (۷۰۱): آصفیہ میں پھوہڑ، بیہودہ، احمق عورت کے معنی میں اِسے معِ یائے معروف لکھا گیا ہے۔ نور میں اِسے عربی لکھ کر، معِ یائے لین "بروزنِ صحرا" لکھا گیا ہے۔ اثر لکھنوی نے فرہنگِ اثر میں اِس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے، "صاحبِ نور اللغات نے عربی "خَیلا" [بہ فتحِ اوّل] اور ہندی "خِیلا" [بہ کسرِ اوّل و یائے مجہول] کو

344
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

گڈمڈ کر دیا ہے۔ رنگینؔ کے اِس شعر سے ہندی "خیلا" کے تلفظ میں کوئی شک نہیں رہتا :

مجھے جو نام دھرتی ہے دوگانا تیری خیلا ہے
وہ خود تو آرسی دیکھے کہ کیا کوچا کریلا ہے "

مگر رنگینؔ کے اِس شعر سے "خیلا" میں یائے مجہول کے ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، یوں کہ اصولِ قافیہ کی رو سے لامؔ کا حرفِ ماقبل شاملِ قافیہ نہیں، یوں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ رنگینؔ کے شعر میں یہ لفظ مع یائے مجہول آیا ہے۔ پلیٹس نے "خیلا اور خَیلا" دونوں طرح درجِ لغت کیا ہے ایک ہی معنی میں۔ فیلنؔ نے بھی اِسی طرح لکھا ہے۔ عربی میں "خَیلا" ہے اور "خیلا" کو ہندی مانا گیا ہے؛ مگر اِن لغات کے اندراج سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُردو میں یہ دونوں طرح مستعمل ہے۔ آصفیہ میں جو اِس کو مع یائے معروف لکھا گیا ہے، تو اِس کی تصدیق کسی اور اندراج سے نہیں ہوتی۔ میرا خیال ہے کہ آصفیہ کا یہ اندراج قابلِ قبول نہیں۔ اِس لفظ کو "خیلا" اور "خَیلا" دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ میں نے نورؔ کی مطابقت میں خ پر زبر لگایا ہے۔

دن دِہاڑے (۱۵۸) : نورؔ میں "دہاڑے" کی دؔ کے نیچے زیر لگا ہوا ہے، اصل لغت میں بھی، اور مثالیہ شعر میں جہاں یہ لفظ آیا ہے وہاں بھی۔ آصفیہ میں دالؔ پر نہ زبر ہے نہ زیر۔ فیلنؔ اور پلیٹس کے لغات میں اِسے بہ فتحِ دالؔ لکھا گیا ہے۔ اردو لغت میں اِسے بہ فتحِ دالؔ اور بہ کسرِ دالؔ، دونوں طرح لکھا گیا ہے۔ میں نے یہاں نورؔ کی مطابقت کو ترجیح دی ہے۔ [میرے سننے میں "دن دَہاڑے" آیا ہے]۔

دھین دَھوکڑی (۱۵۷) : ف میں "دہین دونکڑی" ہے۔ نورؔ میں "دھین دھوکڑی" ہے۔ آصفیہ میں "دھینگ دھونکڑی" ہے۔ میں نے نورؔ کی مطابقت کو مرجّح سمجھا ہے، اِسی نسبت سے "دھین دھوکڑی" لکھا ہے۔

دیدہ دَلیل (۳۶۳، ۹۳۴، ۹۴۶) : نورؔ میں "دلیل" کی دالؔ پر حرکت موجود نہیں، مگر آصفیہ

8:50
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

میں "دلیل" کی دال پر زبر لگا ہوا ہے۔ قیلن اور پلیٹس کے لغات میں نیز اردو لغت میں "دلیل" بہ فتحِ اوّل و یائے مجہول مندرج ہے ــــ اسی کی مطابقت اختیار کی گئی ہے۔

رنگ و خوبی : دیکھیے ضمیمہ تشریحات، شعر ۱۲۶۹۔

رِواج (۲۶۱) : نور میں اس لفظ کے ذیل میں صرف یہ صراحت ملتی ہے "ع، بہ فتحِ اوّل۔ فارسی بہ کسرِ اوّل بولتے ہیں"۔ البتہ آصفیہ میں اردو سے متعلق صراحت موجود ہے: "یہ لفظ عربی میں بہ فتحِ رائے مہملہ ہے، مگر اردو اور فارسی زبان میں بالکسر مروّج ہے"۔ غیاث اللغات میں فارسی کے تصرّف کی وضاحت موجود ہے: "رواج ۔ بہ فتح ..... و بکسر چنانکہ مشہور شدہ، تصرفِ فارسیان است"۔ اسی لغت میں لفظِ "خراج" کے تحت یہ عبارت ملتی ہے:

"خراج ۔ بہ فتحِ اوّل ..... و خانِ آرزو در خیاباں نوشتہ کہ خراج بہ فتح، باج ۔ و در فارسی بکسر شہرت دارد ۔ بدانکہ طورِ فارسیانست کہ مصدرِ بابِ تفعیل کہ بروزنِ فعال بود، بہ فتحِ اوّل، آنرا بکسرِ اوّل خوانند در بعضے مواقع، چنانکہ: وقار و دمار و داع و رواج، کہ ہمہ دراصل مفتوح الاوّل ہستند، فارسیاں ہمہ را بہ کسرِ اوّل خوانند"۔

اس تفصیل سے بہ خوبی معلوم ہوتا ہے کہ بہ کسرِ اوّل اردو اور فارسی میں مرجّح حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لحاظ سے آصفیہ کے مطابق اسے بہ کسرِ اوّل لکھا گیا ہے۔

زار و قطار (۱۵۸۳) : "قطار" اصلاً بہ کسرِ اوّل ہے، لیکن اردو میں عموماً بہ فتحِ اوّل مستعمل رہا ہے۔ آصفیہ میں اس کی صراحت موجود ہے: "قطار" کو بہ کسرِ اوّل لکھ کر صراحت کی گئی ہے کہ "مشہور بہ فتحِ اوّل"۔ یہی بات مؤلفِ نور نے لکھی ہے: "صحیح بہ کسرِ اوّل ہے، اردو میں زبانوں پر بہ فتحِ اوّل ہے"۔ اسی لیے ق پر زبر لگایا گیا ہے۔

زَبان (۱۲۶۳) : فارسی میں بہ فتحِ اوّل و بہ ضمِ اوّل، دونوں طرح ہے (برہانِ قاطع) مزید تفصیل غیاث میں ہے۔ نور و آصفیہ دونوں میں اسے بہ فتحِ اوّل و بہ ضمِ اوّل دونوں

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:50
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

طرح لکھا گیا ہے اور ترجیح کی صراحت نہیں۔ البتہ نفائس اللغات میں اِسے صرف بہ فتحِ اوّل لکھا گیا ہے۔ اِسی طرح "زبان نکالنا" اور "زبان بند ہونا" میں زے پر زبر لگا ہوا ہے، اِس سے مؤلف کی ترجیح کا واضح طور پر علم ہوتا ہے۔ لکھنؤ کے متعدد اہلِ علم اور اہلِ زبان سے معلوم ہوا کہ وہاں فصحا بہ فتحِ اوّل بولتے ہیں۔ میں نے بھی وہاں اِسی طرح سنا ہے۔ اِسی بنا پر اِس لفظ کو ہر جگہ بہ فتحِ اوّل لکھا گیا ہے۔

سجدہ (۱۲۴۸) : عربی میں بہ کسرِ اوّل اور بہ فتحِ اوّل، دونوں طرح ہے [النجد]۔ غیاث اللغات میں مزید تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ آصفیہ میں س پر زبر اور زیر دونوں لگے ہوئے ہیں لیکن یہ صراحت کی گئی ہے: "قرآن شریف کی ایک سورت کا نام۔ بعض فرہنگ نویسوں کی رائے ہے کہ بہ فتحِ سینِ مہملہ اِس کے واسطے ہے، ورنہ بہ کسر ہے"۔ نور میں اِس کو صرف "بالکسر و فتحِ سوم" لکھا گیا ہے۔ اِسی بنا پر س کے نیچے زیر لگایا گیا ہے۔

سر، سَر : دیکھیے ضمیمۂ تشریحات، شعر ۱۵۷۷۔

سمت (۶۸) : یہ عربی کا لفظ ہے اور عربی میں بہ فتحِ اوّل ہے۔ پلیٹس نے اِسی نسبت سے اِسے بہ فتحِ اوّل لکھ کر، مزید لکھا ہے کہ عوام بہ کسرِ اوّل کہتے ہیں۔ اِس کے برخلاف فیلن نے بہ فتحِ اوّل لکھ کر، یہ صراحت کی ہے کہ مقبولِ عام تلفظ "سمت" [بہ کسرِ اوّل] ہے۔ آصفیہ میں میم پر زبر تو لگا ہوا ہے، مگر س خالی ہے، البتہ نور میں بہ فتحِ اوّل لکھ کر، یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے: "اردو میں بالکسر ہی زبانوں پر ہے" اور یہ بالکل درست ہے، اِسی لیے اِسے ہر جگہ بہ کسرِ اوّل لکھا گیا ہے۔

اِس میں یہ اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے مخطوطۂ گنجِ خوبی میں میراثن نے اپنے قلم سے اِس لفظ میں س کے نیچے زیر لگایا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ تلفظ کی یہ تبدیلی کچھ نہیں بات نہیں۔

سُونچ (۷۷) : ف اور ع میں "سونچ" ہے۔ شعر ۲۶۶ میں بھی یہ لفظ آیا ہے اور وہاں

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:50
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

بھی دونوں نسخوں میں اِسی طرح ہے۔ "سونچنا" [مع نونِ غنہ] اُس زمانے میں مستعمل ضرور تھا۔ خطّی اور مطبوعہ تحریروں میں بھی یہ املا مل جاتا ہے اور لُغات میں بھی۔ نور میں لکھا گیا ہے کہ اِس کا املا نون کے ساتھ یعنی "سونچنا" ناجائز ہے، لیکن اِس سے صحیح صورتِ حال سامنے نہیں آتی۔ یہ درست ہے کہ اب بطورِ عموم اِس کو "سوچنا" لکھتے ہیں؛ لیکن پہلے یہ مع نونِ غنہ بھی مستعمل تھا بلکہ بعض کے نزدیک تو صرف مع نونِ غنہ صحیح تھا۔ ناسخ کے معروف شاگرد بحر لکھنوی نے اپنے رسالۂ لُغت بحر البیان میں اِسے صرف نونِ غنہ کے ساتھ لکھا ہے: "سونچنا" بہ واوِ مجہول و نونِ غنہ، خیال کردن و بیاد آوردن چیزے را"۔ لکھنؤ کے معروف استاد اور لُغت نویس جلالؔ نے اپنے لغت سرمایۂ زبانِ اردو میں لکھا ہے: "سونچنا" نونِ غنہ کے ساتھ، اندیشیدن کا ترجمہ ہے۔ جو لوگ اِس کو بدون نونِ غنہ کے پڑھتے ہیں یا لکھتے ہیں، مؤلف کے نزدیک غلط ہے"۔ اِس کے برخلاف نفائس اللغات میں [جو اُسی عہد کی تالیف ہے اور جس کا مؤلف دبستانِ لکھنؤ ہی سے تعلق رکھتا تھا] "سوچنا" کو نونِ غنہ کے بغیر لکھا گیا ہے۔

مرزا غالبؔ کا ایک خط بہ نامِ نواب کلبِ علی خاں مکاتیبِ غالب [مرتبۂ مولانا عرشی] میں موجود ہے۔ اِس خط کا نمبر شمار ۵۳ ہے۔ اصل خط کا عکس مرقعِ غالب [مرتبۂ پرتھوی چند] میں شامل ہے۔ اُس میں ایک جملہ اِس طرح لکھا ہوا ہے: "اور یہ سونچ کر کہ آج کے آٹھویں دن جواب آئے گا"۔ اِس سے معلوم ہوا کہ غالبؔ بھی "سونچنا" لکھتے تھے۔ فسانۂ عجائبؔ کے مختلف نسخوں میں [جو مصنّف کی نظر سے گزرے ہیں] اِس لفظ کا املا دونوں طرح ملتا ہے۔ ایسے چھے نسخوں میں سے تین نسخوں میں "سوچنا" ہے اور تین نسخوں میں "سونچنا"۔

موجودہ صورت میں میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ یہ طے کر سکوں کہ "سونچ" املائے مصنّف ہے یا طریقِ نگارشِ کاتب سے اِس کا تعلق ہے۔ چوں کہ لُغات میں یہ دونوں طرح [مع نونِ غنہ۔ بغیر نونِ غنہ] ملتا ہے، اِس لیے میں نے اِس کی ایک

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:50
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

شکل [مع نونِ غنہ] کو اختیار کیا ہے جو اِن مثنویات کے پیشِ نظر نسخوں میں نسبتاً زیادہ ملتی ہے۔

شُعبدہ (۸۲۸) : اصلاً ش پر زبر ہے۔ آصفیہ میں بھی "شَعبَدہ" ہے، لیکن ساتھ ہی یہ صراحت بھی کر دی گئی ہے کہ : "مشہور بہ ضمِ اوّل ہے" اور یہ بالکل درست ہے۔ فیلن نے "شُعبدہ" ہی لکھا ہے اور پلیٹس کے لغت میں بھی "شعبدہ باز" اور "شعبدہ بازی" کو بہ ضمِ شین لکھا گیا ہے۔ اِسی لیے ش پر پیش لگایا گیا ہے۔ اصلاً ب پر زبر ہے، لیکن تلفّظ میں یہ لفظ اِس طرح آتا ہے جیسے ب ساکن ہو اور فصاحتِ بیان اِسی کی متقاضی معلوم ہوتی ہے۔ اِس کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

شِکوہ (۱۲۱۶) : عربی کے مطابق اصل لفظ "شَکویٰ" (بہ فتحِ اوّل) تھا۔ فارسی میں یہ تصرّف ہوا کہ آخر میں ہائے مختفی آ گئی اور "شکوہ" [مثلاً : شکوۂ بے مہریِ احباب] لکھنے لگے۔ بہارِ عجم میں "شکوہ آشوب" کے تحت اسناد مندرج ہیں۔ اُردو میں زبانوں پر عموماً بہ کسرِ اوّل ہے۔ مولفِ نور نے صحیح طریقہ اختیار کیا ہے کہ اِسے "بالکسر و فتحِ سوم" لکھ کر صراحت کی ہے کہ : "عربی میں شکویٰ بروزنِ دعویٰ"۔ اِسی لیے شین کے نیچے زیر لگایا گیا ہے۔

شِگوفہ (۱۰۶) : فارسی میں شین مکسور بھی ہے اور مضموم بھی۔ اختلاف کی تفصیل غیاث اللغات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مولفِ غیاث نے یہ بھی لکھا ہے : "و در بودنِ کافِ عربی اتفاقِ ہمہ است"۔ یعنی فارسی میں "شکوفہ" ہے۔ اردو میں مصدر "شگفتن" اور اِس کے جملہ مشتقات صرف گاف کے ساتھ مستعمل ہیں۔ یہی صورت "شگوفہ" کی ہے۔ آصفیہ میں اِسے "شُگوفہ" لکھا گیا ہے، یعنی ش پر پیش بھی لگا ہوا ہے اور اُس کے نیچے زیر بھی ہے۔ مطلب صاف ہے کہ مولف کی رائے میں اردو میں یہ دونوں طرح [شِگوفہ، شُگوفہ] درست ہے۔ نور میں اِسے صرف بہ کسرِ اوّل لکھا گیا ہے۔ میں نے نور کی مطابقت میں شین کے نیچے زیر لگایا ہے۔

فاتحہ کو (۱۴۸۷) : نش میں "فاتحے کو" ہے۔ اگر قاعدے پر نظر رکھی جائے تو یہ درست

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:51
rekhta.org/ebooks/masnaw

ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس لفظ کے آخر میں ہائے مختفی ہوتی ہے، محرّف صورت میں اُس کے آخر میں [ہائے مختفی کی جگہ] ے لکھتے ہیں، جیسے مدرّا اور مدرسے کو، مرثیہ اور مرثیے میں. رتبہ اور رتبے کو۔ یہ تو ہوا قاعدہ ۔استعمال کا احوال یہ ہے کہ گفتگو اور تحریر، دونوں میں اِس لفظ کو محرّف صورت میں بھی " فاتحہ" سنا اور دیکھا گیا ہے، جیسے : اُن کی [یا اُن کے] فاتحہ میں شرکت کی۔ یہ نہیں سنا گیا کہ فاتحے میں شرکت کی. حالاں کہ بہ لحاظِ قاعدہ ہونا اسی طرح چاہیے ۔ اِسی مثنوی کے شعر ۱۷۹۹ میں بھی یہ لفظ اِسی انداز سے آیا ہے :

سن کے یہ سب گئے وہاں احباب بخشا پڑھ پڑھ کے فاتحہ کا ثواب

اصولاً یہاں بھی " فاتحے کا ثواب" ہونا چاہیے، لیکن ش میں یہاں " فاتحہ کا ثواب" ہے۔ [سننے میں بھی اِسی طرح آتا ہے]۔ ن میں ہر جگہ " فاتحہ " ہے۔ یہ تو مناسب طریقہ ہوگا نہیں کہ ش کی مطابقت میں ایک جگہ " فاتحے کو" لکھا جائے اور دوسری " فاتحہ کا" ، اِس لیے اُس صورت کو ترجیح دی گئی ہے جو زیادہ مستعمل ہے۔ اِسی لیے " فاتحہ کا ثواب" کی مطابقت میں یہاں بھی " فاتحہ کو" لکھا گیا ہے۔ یہ لفظ شعر ۱۵۳۲ میں بھی آیا ہے۔

فَروگَش (۱۶۸۶) : فارسی میں " فرو" بہ کسرِ اوّل ہے، اِس لحاظ سے " فِروکش" ہونا چاہیے۔ آصفیہ و نور، دونوں میں اِسے بہ کسرِ اوّل ہی لکھا گیا ہے، لیکن پلیٹس نے " فَرو" اور " فِرو" دونوں طرح لکھا ہے۔ [اِسی طرح فَروکش اور فِروکش]۔ اور فیلن نے صرف " فَرو" لکھا ہے. فیلن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اردو میں استعمالِ عام کو ترجیح دیتا ہے اور یہاں بھی وہی صورت ہے ۔ یہ واقعہ ہے کہ اردو والوں کی زبان سے " فَروکش" زیادہ سننے میں آیا ہے۔ [اِسی طرح " فَروگذاشت". شاید ہی کوئی " فِروگذاشت" کہتا ہو۔ فیلن نے اِسے بھی بہ فتحِ اوّل درج کیا ہے]. اِسی مناسبت سے فَ پر زبر لگایا گیا ہے ۔

فَریب (۱۴۰) : فارسی میں " فِریب" [بہ کسرِ اوّل و دوم] ہے۔ آصفیہ میں صرف " فِریب" ہے،

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:51
rekhta.org/ebooks/masnaw
3
مثنویات شوق

یعنی فَ کے نیچے زیر لگا ہوا ہے، مگر موٓلفِ نوؔر نے یہ صراحت کی ہے کہ "اردو میں بہ فتحِ اوّل مستعمل ہے" اور یہ بالکل درست ہے۔ فریب، فریبی، فریبیا، فریفتہ، فریفتگی؛ یہ سب لفظ اردو والوں کی زبان پر بہ طورِ عموم بہ فتحِ اوّل ہیں۔ نوؔر کے اندراج کے مطابق فَ پر زبر لگایا گیا ہے۔

فَریفتہ (۵۸۸) : فارسی میں بکسرِ اوّل ہے ["فریب" بھی فارسی میں بہ کسرِ اوّل ہے]۔ اُردو میں یہ دونوں لفظ [فریب، فریفتہ] زبانوں پر بہ فتحِ اوّل ہیں۔ نوؔر میں "فریفتہ" کو فارسی کے مطابق اصل حرکات کے ساتھ درج کرنے کے بعد یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ: "یہ لفظ زبانوں پر بہ فتحِ اوّل و کسرِ دوم ہے"۔ یہی صحیح بات ہے۔ اِسی کے مطابق فَ پر زبر لگایا گیا ہے۔

قالِب (۱۳۱۰) : یہ لفظ جملہ معانی میں بہ فتحِ لاؔم اور بہ کسرِ لاؔم، دونوں طرح درست ہے۔ لُغات میں اِس کی صراحت موجود ہے؛ لیکن موٓلفِ نوؔر نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ: "اردو میں بہ کسرِ لاؔم مستعمل ہے"۔ یہی بات صاحبِ آصفیہ نے لکھی ہے، "اردو والے اور بعض شعرائے فارس بہ کسرِ لاؔم استعمال کرتے ہیں، جیسے: چوں یکے زیں چہار شد غالب :. جانِ شیریں برآید از قالب ـ سعدؔی"۔ اِسی بنا پر لاؔم کے نیچے زیر لگایا گیا ہے۔

قُران : دیکھیے ضمیمہ تشریحات شعر ۸۱۸ کے تحت۔

قَطار : دیکھیے زار و قطار۔

گَرِیبان (۶۳۹) : بہارِ عجم میں اِس لفظ کے تحت لکھا گیا ہے: "بالکسر...... و در فارسی بیائے مجہول شہرت دارد"۔ موٓلفِ غیاث اللغات نے بھی اِسے معِ یائے مجہول لکھا ہے اور آخر میں یہ بھی لکھا ہے: "و یائے مجہول را اگر معروف خوانند، مضائقہ نباشد بلکہ فصیح نماید"۔ مطلب یہ نکلا کہ فارسی میں مشہور معِ یائے مجہول ہے، چونکہ متاخرین فارسی میں ہر مجہول ی کو معروف پڑھنے لگے ہیں، اِسی لحاظ سے اِسے معِ یائے معروف بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

اُردو لغات کا احوال یہ ہے کہ آصفیہ میں اسے مع یائے معروف لکھا گیا ہے۔ نور میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ "فصیح یائے مجہول سے اور فصیح یائے معروف سے۔" فیلن نے بھی اسے دونوں طرح لکھا ہے لیکن امثال میں اسے صرف بہ یائے مجہول لکھا ہے۔ پلیٹس نے فصیح مع یائے معروف لکھا ہے لیکن جس قدر مثالیہ ٹکڑے لکھے ہیں، اُن سب میں اسے مع یائے مجہول لکھا ہے۔

نور میں یائے معروف سے فصیح ہونے کی جو صراحت ہے، میرا خیال ہے کہ وہ فارسی کے اندراج کی پیروی ہے۔ یہی احوال آصفیہ کے اندراج کا معلوم ہوتا ہے۔ میراثن نے مخطوطۂ گنجِ خوبی میں ہر جگہ اِس لفظ میں ی پر علامتِ مجہول لگائی ہے۔ اِس سے اس زمانے کے استعمال کا بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ اردو میں زبانوں پر بیائے مجہول زیادہ رہا ہے۔ اِسی نسبت سے اِسے مع یائے مجہول مرجح خیال کیا گیا ہے۔ ہاں پہلے حرف کے مکسور ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

رِمتّی (۱۳۵۲) : یہ لفظ بہ کسرِ اوّل اور بہ فتحِ اوّل، دونوں طرح مستعمل رہا ہے۔ انشا نے دریائے لطافت میں لکھا ہے: "مَتّی بالفتح اور رِمتّی بالکسر، دونوں فصیح ہیں" [ترجمۂ دریائے لطافت، ص ۲۲۲] لیکن بعد کے لغت نویسوں نے بہ کسرِ اوّل کو فصیح بتایا ہے۔ آصفیہ میں "رِمتّی" لکھا ہوا ہے، مگر یہ صراحت بھی کر دی گئی ہے کہ "عوام مَتّی بہ فتحِ اوّل"۔ اِس سے معلوم ہوا کہ مولف نے بہ کسرِ اوّل کو فصیح یا یوں کہیے کہ مرجح قرار دیا ہے۔ اِس کے جملہ مرکبات میں التزام کے ساتھ میم کے نیچے زیر لگایا گیا ہے، اِس سے مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔

فیلن نے اِس لفظ کو بہ کسرِ اوّل اور بہ فتحِ اوّل، دونوں طرح لکھا ہے، مگر مثالوں میں ہر جگہ اِسے بہ کسرِ اوّل ہی لکھا ہے۔ نور میں بھی بہ کسرِ اوّل کو زیادہ فصیح لکھا گیا ہے: "یہ لفظ بالکسر اور بالفتح، دونوں طرح استعمال میں ہے لیکن بالکسر زیادہ فصیح سمجھا جاتا ہے۔" اِسی بنا پر میم کے نیچے زیر لگایا گیا ہے۔

فیلن کے لکھنے کے مطابق پالی میں MATTIKA ہے۔ گویا "ماٹی" میں

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:51
rekhta.org/ebooks/masnaw

میں زبر الف کی شکل میں ملتا ہے۔ [پلیٹس نے اِس کی پراکرت اور سنسکرت شکلوں کی بھی نشان دہی کی ہے]۔ دوہوں میں "ماٹی" بہ کثرت آیا ہے اور اُردو میں بھی عہدِ میر و سودا تک یہ ملتا ہے، مثلاً: ہر ذرہ خاک تیری گلی کا ہے بے قرار ؛ یاں کون سا ستم زدہ ماٹی میں رل گیا [میر۔ کلیات، مرتبۂ آسی، ص ۱۷] خلقت تمام گردشِ افلاک سے بنی ؛ ماٹی ہزار رنگ کی اِس چاک سے بنی [میر سوز۔ دیوان، میر سوز نمبر، اردوئے معلّیٰ دہلی، ص ۴۳۱]۔

مٹیانا، مٹیار، مٹیالا، مٹیا [مٹیا بھوس، مٹیا سانپ، مٹیا محل، مٹیا برج] اُردو میں اب بھی مستعمل ہیں اور اِن سب میں میم پر زبر ہے؛ لیکن یہ بھی درست ہے کہ دہلی اور لکھنؤ، دونوں جگہ کے بیش تر اساتذہ اور لُغت نویسوں نے "مِٹّی" کو فصیح یا یوں کہیے کہ مرجّح مانا ہے [یوں صحیح اور مستعمل "مَٹّی" بھی ہے]۔

محلّہ (۱۲۸۴) : بہ لحاظِ اصل میم پر زبر ہے۔ نور میں اِسے "مَحلّہ" لکھا گیا ہے۔ مزید صراحت اِس طرح کی گئی ہے: "یہ لفظ صحیح بہ فتحِ اوّل ہے۔ عوام کی زبانوں پر بہ ضمِ اوّل ہے۔" آصفیہ میں صرف "مَحلّہ" ہے۔ فیلن نے بہ فتحِ میم لکھ کر، مزید لکھا ہے کہ مقبولِ عام تلفظ "مُحلّہ" ہے۔

عام طور پر اب "مُحلّہ" [بہ ضمِ اوّل] سننے میں آتا ہے۔ اسے اگر "مَحلّہ" کہا جائے تو یہ اصل کی مطابقت ہوگی اور "مُحلّہ" کہا جائے تو عام تلفظ کی مطابقت ہوگی۔

مُنڈچرائن (۷۴۶) : س، گلزار، ع؛ سب میں اِسی طرح ہے۔ نور میں "مُڑچرا" "مُنڈچرا"، "مُنڈچڑھا" تین شکلیں ملتی ہیں۔ پلیٹس کے لُغت میں "منڈچرا" ہے۔ اصل لفظ تو یہی ہے، اُردو میں "مُڑچرا" بھی مستعمل ہو گیا۔ "مُنڈ" کی طرح "مُوڑ" بھی سر کے معنی میں مستعمل ہے، اِسی "مُوڑ" سے یہ "مُڑچرا" بنا ہے۔

مَقام (۱۷۸۲) : "مَقام" اور "مُقام" دونوں کے معنی ہیں: کھڑا ہونا [قیام کرنا] اور کھڑے ہونے کی جگہ۔ صاحبِ نور نے اِس سلسلے میں یہ لکھا ہے کہ "اُردو میں

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:51
rekhta.org/ebooks/masnaw

بیش تر ٹھہراو، قیام کے لیے بہ ضمِ اوّل اور دیگر معانی میں بہ فتحِ اوّل مستعمل ہے۔ یہ امتیاز نہایت مناسب ہے۔ اِسی نسبت سے یہاں میم پر زبر لگایا گیا ہے۔

مشہدی (۶۸۳، ۱۲۱۵) : م اور خ میں یہی املا ہے [اور اِس لفظ کا مرجّح املا یہی ہے]۔

مہینا (۳۹) : محض احتیاطاً یہ صراحت کی جاتی ہے کہ ف میں اِس لفظ کا یہی املا ہے [یعنی آخر میں الف ہے۔ صحیح املا بھی یہی ہے]۔

ناتَوانی (۱۱۳۶) ، دیکھیے : تَواں۔

ناشُدَنی (۱۳۶۰) : محض احتیاطاً اِس لفظ سے متعلق کچھ وضاحت کی جاتی ہے۔ اصل لفظ "شُدَنی" ہے [بہ فتحِ نون]۔ فارسی امثال میں یہ لفظ ملتا ہے، مثلاً: "شدنی میشود وغصہ بجا میماند — شدنی شد، دگر چہ خواہد شد" [امثال و حکم، دہخدا۔ جلد دوم]۔ اردو میں بھی یہ اِسی طرح مستعمل رہا ہے۔ "ناشُدَنی" بھی مستعمل رہا ہے۔ اِس کے معنی ہیں: "ناممکن، محال" [نوَر]۔ یہ تو لفظی معنی ہوئے اور اِن معنوں میں یہ فارسی ہے۔ اُردو میں "بدنصیب، کم بخت، ناخلف" کے معانی کا اضافہ ہوا اور اِن معانی کے لحاظ سے یہ ہند ہے اور اِن معانی میں حسبِ صراحتِ مؤلفِ نوَر "بسکونِ دال بول چال میں ہے۔" نوَر میں اِن معنوں کے تحت شوق کا یہی شعر درج کیا گیا ہے۔

نامی نام (۱۴۸۶) : ش میں اِسی طرح ہے۔ اصل کلمہ "نام ہی نام" ہے۔ مخفف صورت میں اِسے "نامھی نام" اور "نامی نام" لکھا جاسکتا تھا، لیکن "نامھی نام" بہ غایت اجنبی شکل ہے۔ مزید برآں، قیاس کے لیے "آپی آپ" موجود ہے، کہ یہ بھی اصلاً "آپ ہی آپ" تھا۔ اِس کے قیاس پر بھی، اور ویسے بھی "نامی نام" مرجّح ٹھہرے گا۔

نانگھوں : دیکھیے اِس ضمیمے کے آخر میں۔

نج (۸۶۹) : یہ لفظ صرف جلاؔل کے لغت سرمایۂ زبانِ اردو میں ملتا ہے: "ایک کلمہ ہے کہ انتہائے کار کے معنی کا فائدہ دیتا ہے۔" مگر تلفظ کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ متعلقہ شعر میں یہ لفظ اُس معنی میں نہیں آیا جس معنی میں جلاؔل نے اِسے درجِ لغت کیا ہے اور اِس معنی کے لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ لفظ کسی اردو لغت میں نہیں ملتا۔ اِس سلسلے میں مزید تفصیل

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

کے لیے دیکھیے ضمیمۂ تشریحات شعر ۸۷۹ کے تحت۔

نَشتر (۱۳۶۶) : فارسی میں بہ کسرِ اوّل ہے۔ اِس کو "نیشتر" کا مخفف لکھا گیا ہے [برہانِ قاطع]۔ آصفیہ میں ن پر زبر لگا ہوا ہے۔ فیلن نے بھی بہ فتحِ اوّل لکھا ہے۔ اور نور میں صراحت کردی گئی ہے کہ "عموماً بول چال میں بالفتح ہے"۔ اِسی بنا پر اِسے بہ فتحِ اوّل لکھا گیا ہے۔

نواب : دیکھیے ضمیمۂ تشریحات شعر ۱۶۰ کے تحت۔

نِوالہ (۶۰۳) : غیاث اللغات میں اِسے بہ فتحِ اوّل اور بہ کسرِ اوّل، دونوں طرح لکھا گیا ہے۔ برہانِ قاطع میں صرف بہ فتحِ اوّل ہے۔ آصفیہ میں "نَوالہ" ہے، لیکن یہ صراحت بھی کی گئی ہے کہ "مشہور بہ کسرِ اوّل"۔ نور میں بھی یہ صراحت موجود ہے: "اردو میں بکسرِ اوّل ہی زبانوں پر ہے"۔ اِسی لحاظ سے ن کے نیچے زیر لگایا گیا ہے۔

ہار سنگھار (۱۱۲) : ف اور ع، دونوں میں یہی املا ہے۔ صراحت کی ضرورت یوں محسوس کی گئی کہ نور اور آصفیہ میں اِسے صرف "ہارسنگار" لکھا گیا ہے، مگر فیلن اور پلیٹس کے لغات میں ہارسنگار اور ہارسنگھار، دونوں شکلیں ملتی ہیں۔ اِسی بنا پر ف کے املا کو برقرار رکھا گیا ہے۔

ہَرتال (۷۴۹) : س، گلزار میں "ہرتال" مع رائے مہملہ ہے۔ ع میں "ہڑتال" ہے۔ نور میں "ہرتال" اور "ہڑتال" دونوں لفظ مندرج ہیں اور پلیٹس کے لغت میں بھی اِس لفظ کی یہ دونوں صورتیں موجود ہیں۔ چوں کہ "ہرتال" بھی صحیح صورت ہے، اِس لیے س کے املا کو ترجیح دی گئی ہے۔ [ہاں آج کل بہ طورِ عموم "ہڑتال" بولتے اور لکھتے ہیں اور اِس کی صراحت نور میں بھی کردی گئی ہے]۔

ہِرَن (۱۴) : یہ لفظ لغات میں بہ کسرِ اوّل اور بہ فتحِ اوّل، دونوں طرح ملتا ہے۔ سننے میں بھی دونوں طرح آتا ہے۔ آصفیہ میں "ہِرَن" لکھا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بہ فتحِ اوّل بھی درست ہے اور بہ کسرِ اوّل بھی۔ انشا نے دریائے لطافت میں صراحتاً لکھا ہے کہ "حرفِ اوّل مفتوح بھی ہے اور مکسور بھی" [ترجمۂ دریائے لطافت

355
415

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:52
rekhta.org/ebooks/masnaw

ص ۲۲۲]۔ اس کے برخلاف نفائس اللغات میں اِس لفظ کو صرف بہ کسرِ اوّل لکھا گیا ہے، اِس سے علاقۂ اودھ کے تلفظ کا بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نور میں "ہرن" کو "بہ فتحِ اوّل و دوم، نیز بہ کسرِ اوّل و فتحِ دوم" لکھا گیا ہے، مگر "ہرنی" اور "ہرنوٹا" کو صرف بہ کسرِ اوّل لکھا گیا ہے، اِس سے بھی ترجیح کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نیّر مسعود صاحب نے اطلاع دی ہے کہ لکھنؤ میں پُرانے لوگوں کی زبان سے "ہِرن" [بہ کسرِ اوّل] سنا گیا ہے اور اب بھی اِسی طرح مستعمل ہے۔ کئی حضرات نے اِس کی تائید کی اور اِس سے نفائس اللغات کے اندراج کی تائید ہوتی ہے۔ اِسی بنا پر اِسے بہ کسرِ اوّل لکھا گیا ہے۔

ہَول جَول (۸۶۹) : س، گلزار، ع میں "حول جول" ہے۔ نور میں "ہَول جَول" ہے۔ اصل لفظ "ہَول" ہے، گھبراہٹ، اضطراب کے معنی میں، اِس لحاظ سے "ہول جول" ہی ہونا چاہیے۔ ["حول" تو دوسرا لفظ ہے] اِسی لیے نور کے مطابق "ہول جول" لکھا گیا ہے۔

یاں۔ واں : یہ لفظ اِن مثنویوں میں جگہ جگہ آئے ہیں۔ "یہاں" کی مخفف صورت "یاں" اور "یہاں" دونوں طرح ملتی ہے۔ انشا نے دریائے لطافت میں جہاں اردو کے حروفِ تہجی سے بحث کی ہے، وہاں ہ سے مخلوط حروف کے تحت "یھ" اور "وھ" کی اِس طرح نشان دہی کی ہے : "واو اور ی کے اختلاط کی مثال ہے "یھاں" اور "وھاں" [ترجمۂ دریائے لطافت، ص ۱۳]۔ لکھنوی اساتذہ اور قواعد نویسوں، نیز لغت نگاروں کے یہاں ایسی کوئی بحث نہیں ملتی، جس سے "یہاں" کے مخفف کو "یھاں" اور "وہاں" کے مخفف کو "وھاں" لکھا اور پڑھا جائے۔ اِس کے برعکس متروکات سے متعلق جو رسالے لکھے گئے ہیں، اُن میں اِن کو "یاں" اور "واں" لکھا گیا ہے، مثلاً کلبِ حسین خاں نادر [تلمیذ ناسخ] کا رسالہ تلخیصِ معلّیٰ (ص ۳۴) وغیرہ۔

مناسب صورت یہ ہے کہ عہدِ غالب تک کے اساتذۂ دہلی کے کلام میں

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

مخفف صورت میں "یہاں" اور "وہاں" لکھا جائے۔ غالب نے تو اِس کی صراحت بھی کی ہے اور لکھا ہے کہ "یہاں" مع ہائے مخلوط ہے۔ [مکاتیبِ غالب، مرتبہ عرشی صاحب، مقدمہ]۔ اساتذۂ لکھنؤ کے کلام میں اِن کو "یاں" اور "واں" لکھنا انسب ہوگا۔ اِسی نسبت سے ہر جگہ "یاں" اور "واں" لکھا گیا ہے۔

اضافہ

بتّوں (۲۲۳): ف میں "بتّوں" [آخر میں نونِ غنّہ] ہے۔ نول کشور میں بھی اِسی طرح ہے۔ ع میں "بتّو" ہے۔ اب عام طور پر "بتّو" دیکھنے میں آتا ہے، لیکن اِس کی ایک پُرانی شکل "بتّوں" بھی ہے۔ یہ آصفیہ میں موجود ہے۔ اُس میں "بتّو یا بتّوں" لکھا گیا ہے اور اِس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ "بتّوں" بھی اِس لفظ کی ایک شکل ہے۔ اردو لغت میں بھی بتّو اور بتّوں، دونوں صورتیں ملتی ہیں۔ ف اور نول کشور میں یہاں اِس کی یہی پُرانی شکل ہے۔ یہ لفظ شعر ۱۶۳۹ میں بھی آیا ہے [چاندسی بتّو گھر میں بیاہ کے لاؤ] اور وہاں زہرِ عشق کے سبھی پیشِ نظر نسخوں میں "بتّو" ہے اور نسخۂ نول کشور میں بھی "بتّو" ہے۔ چوں کہ اب یہی شکل بہ طورِ عموم مستعمل ہے، اِسی لیے دونوں جگہ "بتّو" لکھا گیا ہے۔

نانگھوں (۱۱۰۵): س میں "ناگھوں" ہے۔ م میں "لانگھوں" ہے۔ خ، گلزار، ع میں میں "نانگھوں" ہے۔ ل میں یہ مقام مٹا ہوا سا ہے۔ نور اللغات میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ لکھنؤ میں "نانگھنا" کہتے ہیں اور دہلی والے "لانگھنا"۔ نیز اثر لکھنوی نے فرہنگِ اثر میں لکھا ہے کہ لکھنؤ میں "نانگھنا" ہے۔ جلال نے اپنے لغت سرمایۂ زبانِ اردو میں "نانگھنا" لکھا ہے۔ اِن اندراجات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ لکھنؤ میں "نانگھنا" بہ طورِ عموم مستعمل رہا ہے۔ اِسی بنا پر اِس شعر میں "نانگھوں" لکھا گیا ہے۔

***

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:52
rekhta.org/ebooks/masnaw

ضمیمہ ۳

اختلافِ نسخ

۱، ع : اے قلم لکھ تو پہلے۔
۳، ف/ل : پیغمبراں [غلطیِ کتابت]۔
۴، ف : سچ کی۔ [۔ ۔]۔
۶، ع : نذر کے۔
۱۵، ف : آنکھوں پر۔
۲۳، ع : ایک اک۔
۳۱، ل : صبح ہے۔
۳۵، ف میں پہلے مصرعے میں "جو" موجود نہیں۔
[بہ ظاہر غلطیِ کتابت]۔
۵۱، ع : نے شکایت ہے۔
۷۵، ع : کر اتروانے وہ سواری کو۔
۹۳، ع : اس جا پہ۔
۱۳۲، ل : یا الٰہی۔
۱۳۸، ع : سنئے اِس طرح کے جو میں نے کلام۔
۱۶۵، ل : بات کرتے ہیں۔
۱۸۶، ع : تجھ سے مل کے۔

۱۹۸، ف : بتلاؤں [غلطیِ کتابت]۔
۲۲۶، ل : دیجے/کیجے۔
۲۳۸، ل/ع : ہر اک پہ — ل : کون اس
میں کہ جو چھنال نہیں۔
۲۵۰، ع : کس میں طاقت ہے۔
۲۵۱، ل : کر کے دکھلائیں۔
۲۵۳، ل/ع : لگوائیں — کھائیں۔
۲۵۵، ع : گورے پر۔
۲۵۶، ل : واری تیرے نثار۔
۲۵۷، ع : تو جو چاہے کر۔
۲۸۰، ف : دشمن جاں ہے۔
۲۹۹، ع : یاد ہے کس کی۔
۳۰۶، ف : دیکھو یہ نک ہتھیلی۔
۳۱۳، ع میں "یہ" نہیں۔
۳۱۷، ل : آج تو نے۔
۳۱۹، ع : کیجئے آپ — دیجئے آپ۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:52
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

۳۳۵، ع ، ہووے۔
۳۴۳، ع : فیل بازوں پہ۔
۳۴۵، ع ، اس سے بہترہے اگر۔
۳۴۸، ف ، جیکے ایا شعار [غلطیِ کتابت]۔
۳۴۹، ع ، جس کو جان دو بھر ہو۔
۳۵۱، ف ، فقرے بازوں پر۔
۳۶۱، ف، ل : پیٹ پیچھے۔
۳۶۴، ف ، منہ پر۔
۳۶۹، ف ، بے سلیموں [غلطیِ کتابت]۔
۳۸۰، ع : جانے دے۔
۳۹۰، ع : نہیں خبر ہوتے۔
۳۹۵، ف : فعل ہے۔
۴۰۰، ف ، ذکر تک یہ کبھی نہ کیجے آپ۔
[غلطیِ کتابت]۔ ع ، نہ کیجئے گا/نہ لیجئے گا۔
۴۰۲، ع ، کیجئے/دیجئے۔
۴۰۷، ف، ل : فرق اتنا تھا ہم میں اور اُس میں۔
۴۱۱، ف، ل ، نہ مزہ جیسے اُن سے جب پایا۔

بہارِ عشق

۴۲۰، س : یوں کہیں۔
۴۳۸، س ، شمع رویوں پر۔
۴۴۳، ع ، اک۔
۴۵۲، ع ، کسی پر۔

۴۵۸، ع ، سیر کرنے کو چوک جاتا تھا۔
۴۶۱، ل، گلزار، ع ، قیامت آئی ہے۔
آفت آئی ہے۔ ل، خ، گلزار، ع :
پارسائی پہ۔
۴۶۳، س ، کوٹھے پر۔
۴۶۴، س ، سر سے پا تک تھا۔
۴۶۵، ع : حسن یوسف ہے۔
۴۷۲، یہ شعر س میں موجود نہیں۔
۴۷۹، س میں اِس شعر کے بعد یہ شعر بھی ہے :
فندقیں سرخ سرخ کلیاں تھیں
انگلیاں لوبیے کی پھلیاں تھیں
۴۹۳، ع ، واں جنبش۔
۵۰۴، ل، ع : پڑ گئے پھر تو لالے۔
۵۱۳، ل، ع : ہووے۔
۵۲۶، ع : کوئی کیے ہوئے خم۔
۵۳۳، ع ، کیا کریں۔ ل، گلزار، ع ، دیکھو اب۔
۵۳۶، ع ، کمر کو۔ س ، کس پر۔
۵۳۷، س : زبان پر۔
۵۴۴، س ، اتنے۔
۵۴۵، س ، سارا گھر۔
۵۴۸، ع ، ایک کہتا تھا ہاے۔
۵۵۱، یہ شعر ع میں موجود نہیں۔
۵۵۷، ع ، وہ غیرتِ ماہ۔

359
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:52
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

۵۵۹، ل، گلزار، ع، دیر پھر اٹھانے میں۔
۵۶۲، س، لگی سب گھر میں ہونے نذر و نیاز۔
۵۶۸، خ، گلزار، ع، دور ہو جس سے۔
۵۶۹، ع، یہ جس پہ مرتے ہیں۔
۵۷۵، س، جہاں سے جائیں گے۔
۵۷۷، س، تازہ تازہ۔
۵۸۷، ع، شمع رخ کا۔
۵۸۸، ع، حسن خود جس پہ۔
۵۹۵، گلزار، ستمگر پر۔
۵۹۷، ل، اُن کا پتا۔
۶۰۳، گلزار، عشق آپ کا نکالا ہے [غلطیِ کتابت]۔
۶۰۸، ل، گلزار، ع، کہیں بہار ہے یہ۔
۶۲۳، ع، پوشاک چشم دلبر [غلطیِ کتابت]۔
۶۲۵، ع، بادشاہی کا۔
۶۳۶، م، خ، گلزار، ع، دل میں۔
۶۳۸، س، ع، پر۔
۶۴۰، ع، اس کو پہنا ہے۔
۶۴۱، س، پر سنتے ہیں ــ ع، گو کہ گزرے نہیں۔
۶۵۰، س، سو طرح کی مشقتیں۔
۶۵۴، س، آہ و نالے۔
۶۵۵، گلزار، لبوں پہ۔
۶۶۲، خ، ل، گلزار، ع، چاہ تاثیر جب۔
۶۶۳، ل، بتائیں گی۔
۶۶۶، ل، گلزار، پاؤں پر گر میں نے اُن سے کہا ــ ع، پاؤں پر گر کے میں نے اُن سے کہا۔
۶۶۷، ع، نہ اب خراب کرو۔
۶۷۲، ل، گلزار، ع، مردے پہ۔
۶۷۷، ل، گلزار، ع، گھر سے نکلی۔
۶۷۸، ل، گلزار، ع، اک۔
۶۷۹، ع، اک ایک سے۔
۶۸۰، س، چاق و چوبند۔
۶۹۰، س، در پر۔
۶۹۵، ل، گلزار، ع، ابھی میں جاتی ہوں۔
۷۰۲، ع، اتنا کوئی ہو۔
۷۰۳، ع، پانچا ہلاتی۔
۷۰۹، م، ل، گلزار، خ، ع، اس دوست۔
۷۲۸، ع، خوب گرمی کی ہے
۷۵۷، س، ع، گھر کھوج۔
۷۵۹، ع، نہ اپنی جان دھیان [غلطیِ کتابت]۔
۷۶۷، ع، اور کہنا کہ اُو۔
۷۷۲، ع، اک ذرا پھر کے۔
۷۸۳، ع، سنبھلتا ہے نکلتا ہے۔
۷۹۸، ل، ع، سر پہ۔
۸۰۰، ل، شرم سے گو کہ عرق تھا سب تن میں۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

ع : شرم سے گو کہ تھا عرق تن میں۔
۸۱۰، س میں "پر" موجود نہیں۔
۸۱۲، س : کچھ ہنسی کچھ نرم۔ ع : تازہ فقرے۔
۸۱۴، س، م، خ : پر۔
۸۱۶، ل، گلزار، ع : کچھ حقیقت تھی۔
۸۲۵، یہ شعر ع میں موجود نہیں۔
۸۳۳، س۔ م، ل، خ : فعلیا۔
۸۳۵، ع : کبھی۔
۸۳۹، ل : اُن سے۔
۸۷۳، ل، گلزار، ع : جھجکنا۔
۸۷۵، ل، گلزار، ع : یہی شرط۔
۸۸۱، ع : کل پھر آویں گے۔ س : حول۔
۹۰۳، ع : موئے بدذات۔ ل : جانتا ہے۔
۹۰۴، ل : کیا بڑا۔
۹۰۸، ع : یک لخت۔
۹۱۱، ع : بولنے پہ۔
۹۲۹، ع : ان گنوں پر ترے۔
۹۳۷، ع میں دونوں مصرعوں میں "چلتا" ہے۔
۹۴۵، س، گلزار : نخرا تلّا۔
۹۵۱، س : چماگوئیاں۔
۹۶۱، ل : چپتی پانی۔
۹۶۳، ۹۶۴ : یہ دونوں شعر س میں موجود نہیں۔
۹۶۵، ع : نہیں کچھ اُدماتی۔

۹۸۰، س : مجھ پر۔
۹۸۱، ل : ہے تو۔
۹۸۲، ع : بے یقیں۔
۹۸۵، س : حال اپنا کون گنوائے۔ ل،
ع : جو تیرے فقروں میں آئے۔
۹۸۹، ل، گلزار : فعلیا پن۔
۹۹۱، ع : جال میں اک نہ اک دن آئے گا۔
۱۰۰۰، ع : جب ایسے۔
۱۰۰۷، ل، ع : بھینچ کر ہونٹ۔
۱۰۱۰، ع : دکھلائی۔
۱۰۱۵، ع : خدا کی سنوار۔
۱۰۳۰، ع : کھول کے۔
۱۰۳۲، ع : آنکھوں کے۔
۱۰۴۳، ع : دم دلاسے سے۔
۱۰۵۲، ع : زانو پہ۔
۱۰۷۶، ع : یار کرنے میں۔
۱۰۷۷، ع : ہٹ کے بیٹھو تمھیں خدا کی قسم۔
اس شعر کے بعد س میں شعر ۱۰۷۷
ہے اور اس کے بعد شعر ۱۰۷۶ ہے
اور پھر شعر ۱۰۷۸ ہے۔
۱۰۸۴، س : خدا ہی ہے۔
۱۰۸۵، ع : پرچھائیں بھی۔
۱۰۸۷، س : دھوئے ہاتھ جہاں۔

361
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:52
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

۱۰۹۰، گلزار، جلادوں نے۔
۱۰۹۲، س، تیری شیشے پہ بوٹیاں کاٹوں۔
۱۰۹۶، ع، کہتی تھی ہم سے۔
۱۰۹۹، ع، جو یہ پڑھ جائے ــ ل، ع، ساری شیخی ابھی۔
۱۱۰۰، ل، جعل سازی اب۔
۱۱۰۵، س، م، خ، گلزار، فعل۔
۱۱۱۱، ع، مری رخصت میں۔ ہوں گے حقیر۔
۱۱۱۵، ع، مجھ کو جلد۔
۱۱۲۳، ع، پیام سلام ــ ل، سلام پیام۔
۱۱۳۹، س، عقل ہوش ــ زیاد ہونے لگی۔
۱۱۴۰، ل، گلزار، ع، کبھی ہوا۔
۱۱۴۵، ل، ع، لب پر۔
۱۱۴۸، گلزار، رات کا۔
۱۱۵۳، ع، ذرا سنو۔
۱۱۵۴، س، حول۔
۱۱۵۸، س، حولیں۔
۱۱۶۲، ل، کیسی پچتائی ہوں۔
۱۲۰۲، ل، ع، پیام سلام۔
۱۲۰۶، ع، میرے اُن کے۔
۱۲۱۰، ل، کیا کیا یہ۔
۱۲۱۵، س، جاتی، آتی۔
۱۲۱۹، ع، بندی میں۔

۱۲۲۲، س، تم یہاں دیکھتے ہو راگ و رنگ
ہو بلا سے کسی پہ قید فرنگ
۱۲۲۶، گلزار: کب ہے۔
۱۲۲۸، س: کھوتا ہے، ہوتا ہے۔
۱۲۳۴، خ، ع، کنبے کی۔
۱۲۳۷، س میں یہ آخری شعر ہے۔ م میں اِس کے بعد "ترغیبِ عشقِ حقیقی" کے عنوان سے ۲۲ شعر ہیں۔
۱۲۴۴، ع، سچ جہاں میں ــ ل، جس کو پی چاہے۔
۱۲۴۵، ع، بہ صد عنواں۔
۱۲۴۶، ل، خ، گلزار، ع، کرنا ہے۔

زہرِ عشق

۱۲۶۲، ع، باقی جو کچھ کہ ہے کہانی ہے۔
۱۲۶۸، ع، ہے بنا جب سے عالمِ ایجاد۔
۱۲۶۹، ن، رنگِ خوبی۔
۱۲۷۲، ن، انساں کے آب و گل۔
۱۲۷۳، ع، کر دیے اس نے۔
۱۲۷۵، ع، جو کہ واقف تھے ان ــــ سب حسینوں سے۔
۱۲۷۸، ن، اس سے جس نے ذرا تپاک کیا۔
۱۲۷۹، ن، ہجر سے جلاتا ہے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

مثنویات شوق

۱۲۸۲، ن، ع : ایک قصہ عجیب ــــ
داستانِ غریب۔
۱۲۸۴، ن، ع، واں رہتا تھا۔
۱۲۸۶، ن، ع : تھا بہت۔
۱۲۸۷، ن، ع، دختر تھی اس کی۔
۱۲۹۴، ن : آنکھ بھر کر۔
۱۲۹۵، ن، ل، ع، شعر گوئی سے۔
۱۲۹۹، ن : نور آنکھوں کا دل کا چین۔
۱۳۰۶، ن، ل، ع، اترتی جاتی تھیں ــــ کرتی
جاتی تھیں۔
۱۳۰۹، ن : کہا نہیں جاتا۔
۱۳۱۴، ع : دیکھتا ان کو ــــ ن : حسنِ
جمالِ یار۔
۱۳۱۶، ن : پاس اُس کے۔
۱۳۱۷، ع : اماں جان آپ کو۔
۱۳۲۴، ع : ٹپک پڑتے آنسو۔
۱۳۲۵، ن : ہوئی یہ آمد و رفت۔
۱۳۲۶، ن، ع : بکھ دن جو۔
۱۳۵۱، ع : یوں ستاؤ گے۔
۱۳۵۴، ل، ع : بھایا ہے تم کو۔
۱۳۶۰، ع : دل پہ کیا گزرا ہے۔
۱۳۶۱، ع : یوں اگر ہو گیا تو۔
۱۳۶۲، ن : ایسے دیوانے کو۔
۱۳۶۴، ن : کس سے سیکھا ہے اس طرح کے
امور ــــ ع : کس سے سیکھا ہے
اس طرح کے طور۔
۱۳۶۶، ن : ایک اور قلب پر۔
۱۳۷۳، ع : درد و غم آ گیا جو دل کو پسند
ل، ع : سونا راتوں کو۔
۱۳۷۵، ش : آتشِ ہجر۔
۱۳۷۷، ن، ل، ع : لب پہ آہ تھی سرد۔
۱۳۷۹، ع میں اس شعر کا دوسرا مصرع یہ ہے :
جی میں باقی رہا نہ صبر و قرار [ش میں
یہ شعر ۱۳۸۱ کا دوسرا مصرع ہے]۔
۱۳۸۰، ۱۳۸۱ : یہ دونوں شعر ع میں
موجود نہیں۔
۱۳۸۲، ن، ع : سوچ کر دل میں لکھا
اک خطِ شوق۔
۱۳۸۷، ن : کوٹھے پے۔
۱۳۹۰، ل، ع : ورنہ یہ کہتی میں۔
۱۳۹۲، ل، ع : لکھا یہ اُن کو جواب۔
۱۳۹۶، ن، ل، ع : سر پہ۔
۱۴۰۱، ع : پانی نہیں پیا جاتا۔
۱۴۰۲، ن : بام پر آتا دن میں سو سو بار۔
۱۴۰۶، ن : اثر ہے ضرور۔
۱۴۱۲، ن، ع : اس میں غفلت جو تو نے
کی لے ماہ۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

۱۳۱۲، ن، ل، ع، دل پہ۔
۱۳۱۷، ل، ع، دل کی الفت نے گر کیا کچھ
جوش ـــــ ن، دل کی وحشت نے
کچھ جو مارا جوش۔
۱۳۱۹، یہ شعر ن میں موجود نہیں۔
۱۳۲۲، ل، ع، اب جو پہنچی یہ آپ کی تحریر۔
۱۳۲۵، ن، اُس تلک۔
۱۳۲۹، ن، ل، ع: ہنسی کے کلام۔
۱۳۳۲، ن: میری جانب سے۔
۱۳۴۱، ن، ل، ع، جی میں ٹھانی ہے کیا۔
۱۳۵۰، اس شعر کے بعد ع میں یہ چار شعر ہیں،

لو مری جان جاتی ہوں اب تو
یاد رکھیے گا میری صحبت کو
جو خدا پھر ملائے گا تم سے
تو کہوں گی پھر حال آ تم سے
سن کے میں نے دیا اس کو جواب
نہ کرو دل کو اس قدر بے تاب
کہتی تم کیا ہو یہ خدا نہ کرے
یہ ستم ہووے کبریا نہ کرے

یہ اشعار ش میں موجود نہیں ـــــ نسخۂ
نول کشوری میں بھی یہ شعر موجود نہیں۔
میری رائے میں یہ الحاقی شعر ہیں۔
چوتھا مصرع بحر سے خارج ہے۔ ن

میں یہاں پانچ شعر زائد ہیں۔ چار تو
یہی جو اوپر لکھے گئے ہیں۔ پانچواں
شعر یہ ہے،

عمر بھر ہم وفا نہ توڑیں گے
زندگی بھر نہ منہ کو موڑیں گے

۱۳۵۱، ع، پیار کرتی تھی جو۔
۱۳۵۸، ع، اِس طرح سے لگائی آگ۔
ن، اِس طرح کی لگائی لاگ۔
۱۳۵۹، ن، دل میں اس کے یہ کس نے بل ڈالا۔
۱۳۶۷، ن، رات پھر کس طرح۔
۱۳۶۸، ل، ع، طبع پھر کس طرح۔
۱۳۷۱، ن، تھی نہ فرصت جو اشک باری سے۔
۱۳۷۳، ع: مشورے ہو رہے ہیں۔
۱۳۷۶، ع، ن، گوٹھکانے نہیں ہیں۔
۱۳۷۸، ن، ل، ع، اونچے اونچے مکان تھے جن کے۔
۱۳۸۵، ن: کوئی لیتا نہیں اب اس کا نام۔
ل، ع، کوئی لیتا بھی اب نہیں ہے نام۔
شعر ۱۳۸۹، ۱۳۹۰ ل میں موجود نہیں۔
۱۵۰۲، ن، ل، ع، ڈھونڈنے۔
۱۵۰۹، ن، اس کی رسوائی۔
۱۵۱۳، ن، آپ بیٹھے وہاں۔
۱۵۱۴، ش، بند اپنی زباں کو۔
۱۵۲۰، ع، ہوتے آفت کے ہیں یہ پرکالے۔

364
415
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

۱۵۲۴، ع : اور جا مشغول۔
۱۵۲۷، ن : نہ گھوٹ گھوکے تو [غلطی کتابت]۔
۱۵۳۲، ن : تا نہ ہو جائے۔ ل : دشمنوں کا خوں۔
۱۵۳۸، ن : دل میں کچھ۔
۱۵۳۹، ش : جہاں میں دائم ہے ــــ
ن : کہیں شادی ہے اور کہیں غم ہے۔
۱۵۴۲، ل، ع : کھول کے۔
۱۵۴۴، ن، ل، ع : کرلو پیار۔
۱۵۴۷، ل، ع : دل میں آئے۔
۱۵۴۹، ن : گاڑھے۔
۱۵۵۳، ن : کل کے بیٹھ کر کروگے پیار۔
ل، ن، ع : بلائیں تم ہر بار۔
۱۵۵۶، ع : اب تو جاتے ہیں ہم جہان سے کل۔
۱۵۵۷، ن : یاد آتی تمھیں۔
۱۵۶۲، ل : کچھ سنا ہے۔
۱۵۷۵، ن : گلے میں باہوں کو۔
۱۵۷۷، ن : گال پھر رکھ دو گال پر اپنا
۱۵۷۸، ن : پھر اسی طرح منہ کو منہ سے ملو۔
۱۵۷۹، ن، ل، ع : بوسہ نگہ دادو تم اپنے۔
۱۵۸۳، ل : زار قطار۔
۱۵۸۷، ل : سانس ٹھنڈی۔ کیوں مرے دل کو۔
۱۵۹۰، ن : کرنہ رد روا اپنا حال زبوں [غلطی کتابت]۔
۱۵۹۳، ل : آنسو بہانہ تو۔
۱۵۹۷، ل، ن، ع : دل میں میرے نقط۔

شعر ۱۵۹۹ کے بعد ع میں اشعار کی ترتیب
اِس طرح ہے :

۱۔ کون روئے گا اِس طبیعت کو
کس سے کہہ جاؤں اِس نصیحت کو
۲۔ گو کہ بے جا ترا ہراس نہیں
کوئی دل سوز بھی تو پاس نہیں
۳۔ میں کہاں ہوں جو ساتھ دوں تیرا
ہاتھ میں کس کے ہاتھ دوں تیرا
۴۔ دل لگے گا نہ ساتھ میں اِس کا
دل لیے رہنا ہاتھ میں اِس کا
۵۔ پر میں اب اس کو کیا کروں کم بخت
آسماں دور ہے زمیں ہے سخت

ن میں اشعار کی ترتیب یہ ہے :

۱ کون روئے گا.....
۲ گو کہ بے جا ترا.....
۳ میں کہاں ہوں.....
۴ یوں تسلی تری کرے گا.....
۵ کون یوں خوش کرے گا دل تیرا
دل ہے اس غم سے مضمحل میرا
۶ جی لگے گا نہ ساتھ میں اس کا
دل لیے رہنا ہاتھ میں اس کا
۷ پر میں اب اس کو کیا کروں کم بخت
....

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

شعر ۵ ش اور ع میں موجود نہیں۔

۱۶۰۲، یہ شعر ع میں موجود نہیں۔

۱۶۰۳، ع، کہ جاؤں اس نصیحت کو۔

۱۶۰۴، ل، ع، دل لگے گا نہ ساتھ میں۔

۱۶۰۹، ل، ع، بجاتا تھا — سنسایا جاتا تھا۔

۱۶۱۰، ن: درد و غم میں کر ٹھے۔

۱۶۱۱، ل، ع، کہتی ہوں کچھ۔

۱۶۱۶، ن، دشمن کو بھی۔

۱۶۱۷، ن، ع: دوسرا اب یہ اور ماتم ہے۔

۱۶۲۱، ن، دل سے رکھنا ذرا یہ اپنے دور۔

۱۶۲۷، ع: نہ چاہیے کچھ غم۔

۱۶۲۸، ع، وہ یونہی کرتے ہیں —
ن، یُنہیں کرتے وہ۔

۱۶۳۱، ل، ن، ع، ہم نے دیکھی نہیں ہے۔

۱۶۳۲، ن، ع: منہ پہ۔

۱۶۳۳، ل: نہ سنا ہو کبھی۔

۱۶۳۴، ل، ع، ایسی عادت ہے۔

۱۶۳۵، ع، پر مرے جیتے جی —
ن: پر مرے جیتے جی تو بہر خدا
اپنے مرنے کا ذکر منہ پہ نہ لا

۱۶۳۸، ن، نکلیں ماں باپ کے ترے ارماں۔

۱۶۳۹، ن، ع، نہ کڑھا — لا۔

۱۶۵۰، ن، ع، دیکھو سکھ۔

۱۶۵۱، ن، چار دن ہے — ن، ع،
عمر بھر کون کس کو کرتا ہے یاد۔
ل، کوئی کسی کو۔

۱۶۵۴، ل، ن، ع، سنتے ہی اس کے۔

۱۶۵۵، ن، ع، وحشت سما گئی۔

۱۶۶۱، ع: وہ بھول گئی۔ ن، کرنی جو تھی۔

۱۶۶۳، ن بخش دیجو۔

۱۶۶۴، ل، ع، کم کے پھر یہ۔

۱۶۶۶، ل، ن، ع، آگ لگ جائے وہ گھڑی۔

۱۶۶۹، ن، آنکھ سے تار۔

۱۶۷۱، ن، یاد آتی تھی۔

۱۶۷۷، ن، دل تڑپنے لگا۔

۱۶۷۸، ع: گزری تھی دوپہر۔

۱۶۸۰، ل، ع، شور د غل۔

۱۶۸۱، ن، ع: حبیب کوئی۔

۱۶۸۲، ن، ع، یوں جوانی یہ۔ ع، کون ہے
کس لیے یہ۔

۱۶۸۳، ن، خبر وہاں سے شتاب۔

۱۶۸۶، ع، فرد کش تھا — ن، فروکش ہے۔

۱۶۸۸، ن، ع، صاف کھلتا نہیں ہے یہ اسرار۔
ل، کھلتا نہیں ہے یہ۔

۱۶۹۰، ل، ع، ایسی اب روداد۔

۱۶۹۳، ن، بیٹھتے سر ہیں۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:53
rekhta.org/ebooks/masnaw
3
مثنویات شوق

۱۷۰۰، ن: غیر جو ہے۔
۱۷۰۳، ل، ع، اس سے کیا مطلب۔
۱۷۰۵، ن: شہر میں لوگ روز۔
۱۷۰۶، ل، ن، ع: فکر کرنا ہے ــــ
ن: بشر کو جنوں۔
۱۷۰۸، ل، ع، آپ ہی آپ۔
۱۷۰۹، ن، حال دل کا کہو تو کچھ۔
۱۷۱۶، ل، ن، ع: داغ اولاد کا۔
۱۷۱۸، ش، سر پر ہے آئی [غلطیِ کتابت]۔
۱۷۲۳، نامی: نوجواں مرتا ہے قیامت ہے۔
۱۷۲۵، ن، ع: دیکھا جاتا نہیں ہے۔
۱۷۲۷، ل، ع: اشک جاری ہے چشم گریاں سے
ہوش باقی نہیں تن وجاں سے
۱۷۲۸، ل، ع: نہ کسی کو ہے صبر نے آرام،
۱۷۳۴، ل، ع: عشق کی جو تھی۔
۱۷۳۶، ل، ن: سر کھلے پیچھے کچھ ہیں۔
۱۷۳۹، ع: جب وہ بھرتے ہیں۔
۱۷۴۵، ن، ع: پہ ــ ل: ایک اُس پہ۔
ن: جس سے خوش بُو نکلتی تھی بالکل۔
۱۷۴۸، ن: تنگ تھی راہ۔
۱۷۵۳، ش، ل: ہو رہا ہے زبوں۔
۱۷۵۵، ع: سب کے پیچھے ــ ن: فنس میں۔
۱۷۶۰، ع، جگر کا داغ۔
۱۷۶۲، ن، تیری صورت پہ۔
۱۷۷۷، ع، گو کہ طاقت۔
۱۷۸۰، ن: ہوا جاتا تھا دل۔
۱۷۸۵، ن: دل سے اپنے یہ میں نے۔
۱۷۹۲، ع: تم تماتے ہیں ــ وجہ کیا ہے بیاں
تو کیجئے احوال [ساقط الوزن] ــ ن: بیان
کیجے حال۔
۱۷۹۳، ل، ن، ع: منہ پہ۔
۱۷۹۵، ش: بیدل [غالباً غلطیِ کتابت]۔
۱۸۰۲، ن: شمع رو کا پروانہ ــ دوڑ کر آیا
مثلِ دیوانہ۔
۱۸۰۵، یہ شعر ن میں موجود نہیں۔
۱۸۰۸، ن: بعد اس کے غشی ہوئی طاری۔
۱۸۱۰، ل: کہ یہ کہتی تھی۔
۱۸۱۵، ل، ن، ع: زہر کا پھر نہ کچھ۔
۱۸۱۶، ع، مرے جی اٹھتے ہیں خدا کی شان۔
۱۸۱۷، ل، ع: والدین کا۔
۱۸۱۹، ل، ع: حاصل اتنا تھا کچھ کہانی سے۔
ش، ل، نامی گرامی میں شعر ۱۸۱۹ آخری
شعر ہے۔ ن اور ع میں اُس کے بعد یہ
شعر بھی ہے:
عشق میں ہم نے یہ کمائی کی
دل دیا غم سے آشنائی کی
یہ الحاقی شعر ہے۔ اِس کی تفصیل ضمیمۂ تشریحات
میں ۱۸۱۹ کے تحت۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

ضمیمہ ۴

الفاظ اور طریقِ استعمال

الفاظ

آرام (سکون، چین) : نہیں دم بھر کسی کو واں آرام (م۱۴۲۹).

ات گت : (م۹۵۳).

اخیر (آخری) : اب جو نوچندی ہے رجب کی اخیر (م۴۳)، ہاتھ ملنا اخیر کو بیٹھے (م۱۰۸۷).

اَسواری (سواری) : رکھ دی اپنی خوشی سے اسواری (م۱۲۳).

اکھو مکھو، اکھو مکھو تمھیں کو بھاتی ہے (م۳۰۶).

اَلحذر : الحذر ان تماش بینوں سے (م۳۱۹)، الحذر الحفیظ کی جا ہے (م۹۳۶).

اِمداد (عطا)، ہوئی ہر شے ہر ایک کو امداد (م۱۳۶۶).

انکھڑیاں : (م۳۳۹).

ایسا تیسا : ارے تو کون ایسا تیسا ہے (م۱۳۰).

بادشائی : (بہ قافیۂ رسائی) (م۱۲۵۶).

بجد : سب بجد ہیں، دوا نہیں کرتے (م۴۲۳).

بڑی روٹی (قرآن) : تو بڑی روٹی بھی اگرچہ اٹھائے (م۹۳۶).

بعد احمد کی مدح کر تحریر (یعنی اس کے بعد) (م۲).

بل بے : بل بے فقرہ ترا، معاذ اللہ (م۸۲۶).

بل رے بل : بل رے بل یہ ترا فریب و فن (م۶۶۲).

بیگاری (بیگار کرنے والے) : موئے نوکر ہیں یا ہیں بیگاری (م۱۲۴).

پہ، پر (لیکن) : (م۸۰۰). م۱۲۱۳، ۱۷۰۰، ۱۷، ۱۶۸۱۔

پھٹے منہ : (م۸۳۱، ۱۰۱۳).

تا (تاکہ) : (م۱۳۵۱، ۱۵۱۷، ۱۵۲۶).

تا بہ دروازہ : تا بہ دروازہ آپ ہی آئیں (م۶۹۱).

تازہ حکایت : تازہ اس طرح کی حکایت ہے (م۱۳۸۳).

تازہ فیل : ڈھونڈھ کر تازہ فیل لا کوئی (م۲۳۳).

تازے تازے تماشے لاتے تھے (م۵۷۷).

تازے فقرے (م۸۱۳).

368
415
Scanned with CamScanner

8:53
rekhta.org/ebooks/masnaw

تلک ، (۷، ۱۳۵۲، ۳۹۱)۔

جم جم سے ، (۱۳۹، ۹۱۹) وغیرہ ۔

جمی جم ، (۷۵۲)۔

جوبن (رونق، حسن)، (۱۱۳، ۸۱۳، ۱۳۹۷ وغیرہ)۔

جھم جھماتے تھے ، (۸۰۴)۔

چالاک (شوخ، چلبلی)، (۲۳، ۷۸۷)۔

چالاکی (شوخی، چلبلاپن)، (۱۵، ۳۷۱)۔

چکنی باتیں : (۹۳۲)۔

چم چچڑ: (۹۵۳)۔

چھائیں پھوئیں ، (۸۹۲)۔

چھُٹ ترے (تیرے سوا)؛ چھٹ ترے
غیر کو جو کرتا ہو پیار (۹۷۵)۔

چھنال : (۳۳۱)۔

حد سے زیاد: (۶۰، ۲۷۰، ۱۳۵۷، ۱۸۱۲، ۳۶۰)۔

حَرَکت : (۱۳۱۹)۔

حسبِ دل خواہ : (۷۶)۔

حکم اُحکام ؛ حکم احکام سب بجا تی ہے (۷۰)۔

خدائی خراب ، (۷۶۷)۔

خود رفتہ : (۱۸۱۲)۔

خوش اُسلوب ، خوش نما، خوشس مزاج،
خوش اسلوب (۲۴)، خوشس گلو،
خوش مزاج، خوش اسلوب (۲۱)۔

خوش بو (معطر)، جس سے خوشبو وہ راہ تھی
بالکل (۱۴۳۵)۔

خوش بیان ، (۲۶، ۱۵۶)۔

خوش تقریر ، (۱۲۹۱)۔

خوش جمال ، (۲۵)۔

خوش جمالی ، (۲۷)۔

خوش ظاہر ، سب کے سب خوش جمال، خوش ظاہر (۲۵)

خوش غلاف ، کتنے جم جم سے خوشس غلاف
ہیں آپ (۱۳۹)۔

خوش گلو ، (۳۱، ۳۲)۔

دھین دھوکڑی ، (۱۵۷)۔

دیدہ دانستہ ، دیدہ دانستہ کون مرتا ہے (۱۸۳)۔

دیدہ دلیل (دیدہ دلیر)، (۳۶۳، ۹۳۴،
۹۳۶) وغیرہ۔

ذاتِ شریف : (۲۰۱)۔

راج کریں ، (۹۹۵)۔

رنگت ، (۱۱۳۲)۔

رنڈی، رنڈیاں (عورت۔عورتیں)، (۲۳۶،
۳۰۷، ۷۰۱)۔

رنڈی بازی (عورت بازی)، (۲۷۵،
۳۹۷، ۹۹۴)۔

رُوزوں (روز کی جمع) دیکھیے ، کچھ روزوں۔

زبان آوری ، (۲۰۰)۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:54
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

زر (دولت) ؛ (ص ۱۹) ۔
زیاد (زیادہ) ، بس خرابی نہ کر زیاد اپنی (ص ۳۳۱) ۔
ساں ، شمع ساں جل گیا کبھی خاموش (ص ۱۱۳۰) ۔
سوا (زیادہ) میرے آگے سوا نہ بڑ بڑ کر (ص ۳۰۹) ۔
سہارا (برداشت) ؛ مجھ کو اِس غم کا کب
سہارا تھا (ص ۳۱۷) ۔
سیر باز ، (ص ۱۳۶) ۔
شبِ برات کی رات ، (ص ۱۵۶۳) ۔
فقرے باز ، (ص ۳۵۱) ۔
فقرے بازیاں : (ص ۲۳۲) ۔
فَیل (دھوکا ، فریب) ، (ص ۱۳۰ ، ۱۵۸) ،
تازہ فیل (نیا فریب) ؛ (ص ۲۳۳) ۔
فیل کرنا (دھوکا دینا) ، (ص ۱۵۲) ۔
فیل لائے گی ، (ص ۲۳۹) ۔
فیل باز ، (ص ۲۷۹ ، ۳۳۳) ۔
فیل بازی ، (ص ۱۸۰) ۔
فیلیا ، (ص ۸۳۳) ۔
فیلیاپن : (ص ۹۸۹) ۔
فیلسوف ، (ص ۲۳۷ ، ۳۱۱) وغیرہ ۔
فی مابَین ، نہ ہوا گو کلام فی مابَین (ص ۱۳۱۰) ۔
قُران (مد کے بغیر) ، (ص ۸۱۸ ، ۹۸۰ ، ۱۰۷۸) ۔
قیدِ فرنگ ، (ص ۱۲۲۳) ۔
قریب (رشتے دار) ، مر گیا اُن کا کیا قریب
کوئی (ص ۱۶۸۱) ۔
کارخانہ (مجمعِ احباب) ، (ص ۵۸) ۔
کبھو (ص ۱۳۱۸) ۔
کچھ روز دوں ، کرو کچھ رُزدوں جینے کی باتیں (ص ۸۹۶) ۔
کدھی (کبھی) ، (ص ۸۳۵) ۔
کنونڈا ، (ص ۲۲۳) ۔
گوکہ ، (ص ۱۶۰۳) ۔
مانامَت ، نہیں تو مانامت نچاؤں گی (ص ۱۱۰۶ ، ۱۱۱۳) ۔
ماہر (واقف ، آگاہ) ؛ راز سے اُن کے
ہے یہی ماہر (ص ۷) ۔
مثال کوئل کے ، کوکتے تھے مثال کوئل کے (ص ۳۳) ۔
مجبور (مجبوراً) ، (ص ۱۶۹۵) ۔
محل بہ قافیۂ دِل (ص ۱۶۹۳) ۔
مذاق (خوش مذاقی ، ذوق) ؛ دل میں لوگوں
کے جو بھرا تھا مذاق (ص ۳۵) ۔
مُرڈِچرا پن ، (ص ۷۳۶) ۔
مردِ اَشراف ، (ص ۱۳۸۵) ۔
مرشدی ، مرشدی تیری کب میں مانتی ہوں (ص ۳۶۰) ۔
مرنے جُوگا ، (ص ۷۳۸) ۔
ناخونوں ، میرے ناخونوں میں یہ باتیں ہیں (ص ۲۲۱) ۔
نام وگھر ، نام وگھر پوچھ لے کہاری کا (ص ۷) ۔
نُج ، نج کوئی اِتنی ہول جول نچائے (ص ۸۶۹) ۔
نواب مرزا ، ارے تو ہی نواب مرزا ہے (ص ۱۶۰) ۔
ہر دمگی چمچہ ، (ص ۳۳۰) ۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:54
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

چار دن چاندنی دکھاؤ گے، (ص ۲۵۶)۔
چشم کا نور، (ص ۱۸۱۷)۔
چکما کھا گئی، (ص ۸۳۲)۔
چھڑکا ہے (چھڑکا ہوا ہے)، (ص ۱۳۲)۔
چینٹیوں کا بھرا کباب، (ص ۱۸۷)۔
حکم احکام سب بجا تی ہے، (ص ۷۰)۔
حواس پکڑ، (ص ۳۷۹)۔
حواس میں آ، (ص ۹۳۰)۔
خوش آنا: بہ خدا، خاک جو خوش آتا ہو (ص ۱۷۶)۔
دماغ خوش کرو: بوسے پھولوں کی
خوش دماغ کرو (ص ۲۰۶)۔
خوش گزرنا، خوش گزرتے تھے اِس طرح ایام (ص ۲۰)۔
خوش کمال ہوئی (بہت خوش ہوئی)، (ص ۳۱۸)۔
دل ہلاک ہوا: دل جب اُس کا بہت ہلاک ہوا (ص ۱۱۷)۔
دم تمام کیا، بھیڑ نے آج دم تمام کیا (ص ۱۱۵۹)۔
دم چلانا، نہ چلے گا یہاں پر آپ کا دم (ص ۳۰۱)۔
دو دو منہ ہنس لیے، (ص ۶۹۳)۔
دُھنتے تھے (بہ طورِ فعلِ لازم)، (ص ۱۱۷۲)۔
دُھننے لگے (" "): (ص ۱۳۷۲)۔
دھوم ڈالنا، (ص ۹۱۳)۔
دیکھے اور بھالے، ہیں بہت ایسے دیکھے
اور بھالے (ص ۱۱۸۶)۔
راہ مارتے ہے، (ص ۱۵۸)۔

رنج کھاتا ہوں: (ص ۳۲۵)۔
رنج گزرنے لگے: (ص ۳۲۷)۔
رہی کچھ روز تو یہی تحریر (یعنی اِسی طرح
مراسلت رہی): (ص ۱۳۳۱)۔
ریت کرنا، ساتھ میرے نئی نہ ریت کرو (ص ۸۶۳)۔
زنانہ کروایا، ہٹ گئے سب زنانہ کروایا (ص ۷۹۶)۔
ساتھ لے دیے کے اپنے یاروں کو
مینڈکی بھی چلی مداروں کو (ص ۳۳۳)۔
سوچ یہ (یہ سوچ کر): (ص ۷۷)۔
سختی دی، سختی ساری بتوں کے دل میں دی (ص ۱۱۲۷)۔
سوار کرلاؤ: (ص ۸۰)۔
سرتاسر ڈوبا ہوا ہے، (ص ۱۳)۔
شب برات کی رات: (ص ۱۵۶۱)۔
شعبدہ بنایا ہے: (ص ۹۲۸)۔
شیخی اُس میں ابھی گھسڑ جائے (ص ۱۰۹۹)۔
طور جمائے: وہاں جا کر جمائے اپنے طور (ص ۲۲۵)۔
عمر کھینا: عمر تم کو تو ہے ابھی کھینا (ص ۱۵۳۸)۔
عیش رہتا تھا: (ص ۲۰)۔
فریب اٹھانا، (ص ۱۳۴۰)۔
فطرت بنانا (نیا فریب دینا): فطرت اِس
سے نئی بناؤ کوئی (ص ۲۳۳)۔
فطرتیں بنانا، دل میں سو فطرتیں بناتی ہوئی (ص ۱۱۵۲)۔
فکریں کرنا، (ص ۱۴۰۶)۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

قریب مرگیا (قریبی رشتے دار)، مرگیا اُن کا کیا
قریب کوئی (م ۱۲۱۹).
قہر گزرنا، (م ۲۰۹).
قیل لانا، (م ۲۳۹، ۲۲۳).
کچکچی باندھ کر، (م ۱۰۶۳).
کون طریق، بات کرنے کا ہے یہ کون طریق (م ۲۹۹).
کیوں رے اُو، (م ۸۳۰).
ماسوا اس کے: (م ۱۰).
مزہ نہیں تم کو (ذوق نہیں)، (م ۲۰۸).
مشورت ٹھہرائی، (م ۱۱۳۱).
مشورہ بتانا: کس نے یہ مشورہ بتایا ہے (ب ۶۰۳).
مفت میں جان ہلاک کرے، (م ۳۵۱).
منہ کے نثار: اے مسیحائی تیرے منہ کے نثار (ز ۶۸۱).
میری صورت (میری طرح)، میری صورت
بھلا مرے گا کون (م ۱۲۰۳).
میرے ہاتھ کی مار: آج کھائے گی میرے
ہاتھ کی مار (م ۱۵۱).
نام نشان رکھنا: رکھتے کیا نام، کیا
نشاں ہیں آپ (م ۱۵۶).
نشہ اُٹھنا: نہ اُٹھا تم سے نشۂ عشق (ت ۶۶۰).
نوک چوک: نوک چوک اک جمال سے پیدا (م ۸۰۱).
ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں (م ۹۲۱).
ہم صورتوں [ہم صورت کی جمع] (م ۱۰۱۸، ۱۱۱۱).

ہوتیاں: اور وہ ہوتیاں ہیں البیلی (ت ۹۲۳).
ہوش پکڑو: ہوش پکڑو، حواس میں آؤ (ت ۱۷۰۷).
ہونے گا، (ت ۲۷۰، ۱۶۲۴).
نہ ہوئیں گے، (م ۲۱).
ہوئے منظور جو برلے خدا، (م ۶۶۶).

کو

کیا اثر ہے زبان کو تیری
سب کلپتے ہیں جان کو تیری (ت ۱۷۰).
دل کو آجانے کی فقط ہے دیر (ت ۲۵۴).
مجھے اب گھر کو جانے دیجیے آپ (ت ۲۲۶).
اُس کی طاعت کو حکم ہے آیا (م ۲۳۱).
ہم سے چھپ کے کہاں کو جائیں گی (ت ۵۷۶).
پھٹے منہ لعنتِ خدا تجھ کو (م ۸۳۱).
گاہ ما تھے پہ ہاتھ کو دھرنا (۸۷۴).
ضبط کر دل کو، ہو سکے جتنا (ت ۱۷۸۷).
ڈھونڈنے کس طرف کو جائے گی (م ۱۵۰۱).
سیر کرنے کو بام پر آیا (م ۱۳۰۴).

پر، پہ

اگر آجائے کچھ طبیعت پر (ت ۱۵۳۰).
اور جا پر کہو یہ ڈورے ڈال (م ۴۳۹).
پائنتی سے سرہانے پر بیٹھا (م ۱۰۵۲).

372
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:54
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

ہرتال، خوب رویوں کی کچھ نہیں ہرتال (ص ۴۳۹)۔
ہما ہمیں : (ص ۱۰۱۹)۔
ہَول ہُول : (ص ۸۶۹)۔

افعال، طریقِ استعمال

آخر ہونا، کہ اسی غم میں ہوں گے ہم آخر (ص ۲۵۵)۔
آفاتِ آسمانی (بہ طورِ واحد)، عشق آفاتِ آسمانی ہے (ص ۶۰۵)۔
آگ لگ جاتی وہ گھڑی کم بخت (ص ۱۲۶۶)۔
آنکھیں ناک سے ڈر، (ص ۳۶۵)۔
آہ نہ آنا، تیرے پُرزے کروں تو آہ نہ آئے (ص ۱۰۹۷)۔
اُبلا ہوا حُسن، حُسن ابلا ہوا، بہا کے دلی (ص ۸۰۳)۔
اپنی گردن کا بوجھ ٹال دیا، (ص ۱۲۱)۔
اپنی رادھا کو یاد کیجیے آپ، (ص ۴۰۲)۔
اِدھر کی طرف : لاؤں دھوکے سے میں ادھر کی طرف (ص ۸۹)، کون لایا مجھے ادھر کی طرف (ص ۱۳۱)۔
اِستمزاج لیں گے، (ص ۲۵۲)۔
اشک جاری کردیے، اشک آنکھوں سے کردیے جاری (ص ۲۷۳)۔
اندھیر مچاؤگے، وہی اندھیر پھر مچاؤگے (ص ۳۵۶)۔
اوقات تلف کرنا، (ص ۳۳۰)۔
ایام خوش گزرتے تھے، (ص ۲۰)۔

ایسے چودہ ہزار مرتے ہیں، (ص ۴۳۸)۔
باوَر نہیں (یقین نہیں)، یہ تو باور نہیں بلاؤ گی (ص ۱۱۳۹)۔
باغِ سبز دکھانا، (ص ۱۳۵)۔
بتّیس دانت میں زبان ہے، (ص ۱۸۶)۔
بعد چندے کے، بعد چندے کے مرگئی آخر (ص ۲۱۵)۔
بھاتا ہو، (ص ۱۷۶)، بھاتی ہے (ص ۳۰۶)۔
بے سوتوں عید : سچ یہ ہے بے سوتوں عید کہاں (ص ۳۶۹)۔
تازہ گل پھولا : تازہ گل پھولا، خوش کمال ہوئی (ص ۳۱۸)۔
تازہ فیل لاؤ، ڈھونڈھ کر تازہ فیل لاؤ کوئی (ص ۲۴۳)۔
تازے نازو انداز کرتی تھی (ص ۱۰۰۹)۔
تازے تازے تماشے لاتے تھے، (ص ۵۷۷)۔
تدبیر قرار پاگئی، (ص ۹۳)۔
تعجب آیا، اک تعجب سا مجھ کو یہ آیا (ص ۱۸۱۵)۔
تو نہیں، تیرے بھائی تیس ہزار، (ص ۳۵۲)۔
جال چلنا، نہ چلے گا تمھارا مجھ پر جال (ص ۳۵۰)۔
جال کیا (فریب کیا)، (ص ۱۹۸)۔
جان اک میری جان میں آئی، (ص ۷۹۵)۔
جان ہلاک کرے، (ص ۳۵۸)۔
جُل میں آگئی (فریب میں آگئی)، (ص ۸۳۲)۔

373
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

کہ ہر اک جا پہ ہے وہی موجود (۱۲۶۱)۔
جب نہ دیکھا وہاں پہ وہ گل رو (۱۳۲۳)۔
کل جہاں پرشکوفہ و گل تھے (۱۳۷۹)۔
رکھنا اُس وقت تم وہاں پہ قدم (۱۵۰۷)۔
اُس جا پر ، باغ اُس جا پر اک ہمارا تھا (۹۳)۔
کہیں پہ ، گل کہیں ہے، کہیں پہ خار ہے یہ (۶۰۸)۔
اک جا پہ : سبزہ اک جا پہ لہلہاتا ہے (۱۰۸)۔
واں پہ : لوگ پہلے سے واں پہ جاتے تھے (۳۵)۔
کہیں پہ ، ہیچ سنبل کہیں پہ کھاتا ہے (۱۰۸)۔

اعلانِ نون :

تشنۂ خون ہو گئیں فی الفور (۲۵۸)۔
صبح کو طائرانِ خوش الحان
پڑھتے ہیں کُلُّ مَن علیہا فان (۱۳۹۷)۔

سقوطِ حروفِ علّت :

ثانی رکھتی نہ تھی وہ صورت میں (۱۳۸۸)۔
سختی ساری بتوں کے دل میں دی (۱۳۷۳)۔
میری رسوائی کا خیال رہے (۱۵۰۵)۔
قابو میں دست و پا نہیں اب تک (۳۱۶)۔
باقی کیا رہ گیا تھا مرنے میں (۱۰۷۶)۔
باقی جو کچھ کہ ہے وہ فانی ہے (۱۲۶۳)۔

کی / کے ۔ ہماری، ہمارے

بوٹی بوٹی میں درد ہے اُن کے
رنگ چہرے کا زرد ہے اُن کے (۴۹۵)۔
جان پر بن رہی ہمارے ہے
مر رہا تو جگت کے مارے ہے (۱۰۷۰)۔
کوکتے تھے مثال کوئل کے (۳۳)۔

ایک (اک) :

جان اک میری جان میں آئی (۷۹۵)۔
[محاورہ : جان میں جان آنا]
اک کشش و پیچ میں طبیعت تھی (۱۱۲۵)۔
ایک الجھن سی دل کو ہونے لگی (۱۳۷۳)۔
دل میں اک آگ، لب پہ آہِ سرد (۱۱۷۶)۔

قافیہ :

نہیں قابو میں ہے کسی کا دل
بیٹھتے سب ہیں صاحبانِ محل (۱۲۹۳)۔
لے کے زانو پہ اُن کا سر بیٹھا
پائنتی سے سرہانے پر بیٹھا (۱۰۵۳)۔
پھر مرے سر پہ رکھ دو سر اپنا
گال پر گال رکھ دو پھر اپنا (۱۵۷۷)۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

مثنویات شوق

کہتے تھے کوٹ کر سرو سینا
کیوں نہ دشوار اُن کو ہو جینا (ر ۱۷۳).

خیر تم سے تو کیا میں بولوں گی
پر، کہاری سے جا کے سمجھوں گی (ر ۱۳۹).

کوئی مرتا ہے کیوں، بلا جانے
ہم بہو بیٹیاں یہ کیا جانے (ر ۷۳۱).

ارے میں کیا سمجھتی تھی یہ بات
ایسی الفت تھی تجھ کو میرے سات (ر ۲۸۱).

پھر تو میں دل میں سوچ کر یہ بات
اُن سے کہنے لگا پکڑ کر ہات (ر ۲۶۶).

پیش قدمی جو تم نے کی مرے سات
اِس میں ذلّت کی کون سی ہے بات (ر ۱۳۰۵).

بولی پھر زانوؤں پہ مار کے ہات
نہیں معلوم اب ہے کتنی رات (ر ۱۲۰۸).

اک کہاری کھڑی ہے باندھے ہات
ہر گھڑی کرتی ہے اُسی سے بات (ر ۶۹).

لاؤ پھندے میں، ایسی بات کرو
جو نہ کرنی ہو، اِس کے سات کرو (ر ۲۳۱).

تذکیر و تانیث

آب و گل (مونث)، (ر ۱۲، ۱۳۷۲)
دسترس (مذکر)، (ر ۱۲۱۹)
سانس (مونث)، (ر ۱۰۶، ۱۰۲۹، ۱۶۶۱)
طرز (مذکر)، (ر ۲۴، ۶۵۲، ۲۱۱)
عرض (مونث)، (ر ۷۱۹)
نیل (مونث)، (ر ۱۳۸)
ہول (مونث)، (ر ۸۸۱)

Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

فرہنگ

آب (١٣٧١) ، چمک دمک [جیسے ، جس موتی میں آب نہیں، وہ کنکر ہے]۔

آب و گل (١٢، ١٣٧٢) : خمیر، مزاج، سرشت۔

آپ کے پاؤں پوجیے : دیکھیے : پاؤں پوجنا۔

آپ کے دشمن (١٦٣٦) : آپ۔ جہاں مخاطب کو کسی بُری بات کی نسبت سے بچانا ہوتا ہے، وہاں یہ کلمہ استعمال کرتے ہیں۔ "جان دینا" اچھی بات نہیں۔ یوں اُس کی نسبت عاشق سے مناسب نہیں، اِس لیے یوں کہا کہ آپ کے دشمن کیوں جان دیں گے۔ مطلب یہی ہے کہ آپ کیوں جان دیں گے۔

آتش : آگ۔

آتش کے پرکالے (١٥٢٠) : بہت ذہین، تیز طبع [نور]۔ یعنی بات کی تہ تک بہت جلد پہنچ جانے والے۔

آٹھ آٹھ آنسو رُلوایا (١٠٦١) : بہت رُلایا۔ مجازاً : بہت تکلیف پہنچائی۔ بہت دُکھ دیا۔ [آٹھ آٹھ آنسو رونا، زار و قطار رُونا، پھوٹ پھوٹ کر رونا، بہت رونا]۔

آخر ہوں گے (٢٥٥) : مرجائیں گے۔ [آخر ہونا، مرجانا (نور)]۔

آراستہ ہو (٩٢٩) : دیکھیے، بہت آراستہ ہو۔

آری (١٣٢٣) : عاجز، تنگ۔ [زندگی سے جان آری ہے : جینا مشکل ہوگیا ہے۔ زندگی اجیرن ہوگئی ہے]۔

آڑی ہیکل (٢٧٧) : دیکھیے، ہیکل۔

آسماں دور ہے زمیں ہے سخت (١٦٠٥) : انتہائی مجبوری اور بے بسی کا عالم ہے۔

آفت اُٹھانا (٨٩٢) : مصیبت جھیلنا، تکلیف برداشت کرنا (نور)۔ [یہ آفت کبھی نہ اُٹھائی تھی : ایسی مصیبت کبھی نہیں پڑی تھی]۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:55
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

آگ لگ جائے (۱۲۶۶): غارت ہو، تباہ ہو جائے۔ عورتیں بطور کوسنے کے اور بددعا کے یہ کلمہ کہتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کیسی بُری گھڑی تھی جب میں ہاں پر آئی تھی۔

آنکھ چار کرتا ہے (۹۸۸): ڈھٹائی سے دیکھنا ہے۔ بے شرمی سے آنکھیں ملاتا ہے۔

آنکھ لگائے (۱۸۹): محبت کرے، دوستی کرے۔

آنکھ لڑنا (۹۰۱): آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنا، محبت کی نگاہ سے دیکھنا ــــ [خوب صورتوں کو سبھی نظر بھر کر دیکھتے ہیں]۔

آنکھ ناک سے ڈر (۳۶۵): جب کوئی جھوٹ بولتا ہے یا کوئی بُرا فعل کرتا ہے تو عورتیں کہتی ہیں۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا سے ڈر، کہیں ایسا نہ ہو کہ اِس کی پاداش میں اندھا یا ذلیل ہو جائے۔ اگلے زمانے میں حاکم مجرموں کی آنکھیں نکلوا لیتے تھے یا اُن کی ناک کٹوا ڈالتے تھے [آنکھ اور ناک، دونوں آبرو کے اعضا ہیں (نور)]۔

آنکھ نہیں پھرتی (۹۶۰): نظر نہیں ہٹتی، برابر دیکھے جاتا ہے۔

آنکھوں سے نیل ڈھلنا (۷۱۲): مرتے وقت جو چند قطرے پانی کے آنکھوں سے نکلتے ہیں، اُس کو آنکھوں کا نیل ڈھلنا کہتے ہیں (نور)۔ مراد ہوتی ہے کہ مرنے کا وقت قریب آ گیا۔

آنکھوں میں چربی چھانا (۸۸۷): بے حیائی کرنا، بے غیرت ہو جانا، اچھے بُرے میں تمیز نہ کرنا۔

آنکھیں پیتم ہو جائیں: اندھا ہو جائے، دیدے پھوٹ جائیں۔

آویزاں (۱۱۸): لٹکے ہوئے۔

ابرِ مطیر (۱۱۲۹): برسنے والا بادل۔

اُبھار کر لاؤ (۸۰): ورغلا کر، بہکا کر لے آؤ۔ [اُبھارنا: ترغیب دینا، آمادہ کرنا]۔

اپنا سر کھانا (۳۲۳): کسی کا کچھ نہ بگاڑ سکنا، اُلٹا اپنا نقصان کرنا، خود ہی پریشانی میں پڑنا۔ خود ہی بک بک کرتے رہنا، اپنا وقت ضائع کرنا۔

اپنی بانی نہ چھوڑنا (۱۰۵۸): اپنی حرکتوں سے باز نہ آنا، اپنے ہتھکنڈے نہ چھوڑنا (نور)۔

اپنی رادھا کو یاد کرو (۴۰۲): جاؤ کچھ واسطہ نہیں، کچھ پروا نہیں، اپنے گھر خوش رہو۔

اپنی سی نباہ چلی (۱۲۰۶): جو کچھ میں کر سکتی تھی وہ کر چلی۔ اپنے انداز کو نباہ چلی۔

اپنے جامے سے باہر ہو گئی (۱۴۱۳): دیکھیے: جامے سے باہر ہو گئی۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:55
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

اپنے کو بہت دور جانتی ہیں (۸۵) : بہت مغرور ہیں، اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتی ہیں۔ [آپ کو دور جاننا : اپنے آپ کو عاقل و کامل سمجھنا، غرور کرنا۔ (نور، اردو لغت)]۔

اپنے کیے کو خود آتی (۱۳۱۸) : جو کچھ میں نے کیا، اُس کو نباہنے کے لیے خود آتی۔

اپنے منہ میاں مٹھو (۹۸۲) : اُس کو کہتے ہیں جو آپ ہی اپنی تعریف کرے۔

اَت گَت (۹۵۲) : بہت زیادہ، حد سے سوا، بے گنتی بے شمار۔

اُجڑی (۳۸۰) : عورتیں بطورِ تکیۂ کلام بے زاری اور حقارت ظاہر کرنے کے لیے "اُجڑا" یا "اُجڑی" استعمال کرتی ہیں۔

اُجڑ گئی (۹۰۲) : ایک کلمہ ہے جو عورتیں بطور تکیۂ کلام کے بیزاری یا تحقیر کے لیے کہتی ہیں، نگوڑی، موئی، بدبخت۔

اَچپلاپَن (۸۰۹) : شوخی، ناز، کرشمہ، چلبلاپن۔

اَچَنبھا گزرتا ہے (۱۷۵) : تعجب ہوتا ہے، حیرت ہوتی ہے۔

اِختلاط (۸۳۳، ۹۵۰، ۹۵۴) : بے تکلفی، چھیڑ چھاڑ، گرم جوشی، بوس و کنار۔

اِختلالِ حواس (۱۱۳۸) : حواس میں فتور آنا، بدحواسی۔

اِدراک ہوتا ہے (۱۶۸۹) : محسوس ہوتا ہے، یہ معلوم ہوتا ہے۔

اِدّعائے یکتائی (۵۸۹) : یکتائی کا دعوا ہے، اپنے آپ کو بے مثال سمجھتی ہیں۔

اُدماتی (۹۶۵) : جوانی کے نشے میں چور، شہوت پرست، بدمست۔

اِرتباط (۹۰۳، ۱۰۳۳) : اصلی معنی: میل جول، دوستی، ربط ضبط۔ یہاں مراد ہے جنسی بے تکلفی۔

اَرغواں : دیکھیے ضمیمۂ تشریحات شعر ۱۳۲۷۔

اَز پئے زمانہ (۱۷۲۴) : زمانے کے لیے، سب کے لیے۔ [اَز پئے زمانہ مرگ ہے : سب کو مرنا ہے]۔

اِس آن (۱۵۷۲) : اِس وقت۔

اِستادہ (۶۳) : مراد یہ ہے کہ وہاں ایک خیمہ لگا ہوا تھا۔

اِستادہ ہوئی (۱۶۵۶) : کھڑی ہوئی۔

اُستخواں (۱۲۹۰) : ہڈیاں۔

اِستمزاج (۶۵۲) : مرضی معلوم کرنا، عندیہ لینا۔

اِسرار (۵۰۸) : بھوت پریت، جن، پری یا کسی بد روح کا سایہ، آسیب۔

اَسرار (۱۶۸۸) : راز، بھید، چھپی ہوئی باتیں۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:55
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

اُسلوب (۶۷۰) : طریقہ، انداز، روش۔
اُسلوب بندھا ہے (۱۴۰۲) : صورت پیدا ہوئی ہے، راہ نکلی ہے۔
اَسواری (۱۲۴) : سواری۔
اَشک : آنسو۔
اَشک باری : آنسوؤں کا بہنا، رونا۔
اطلس (۱۱۴) : ریشم اور سوت کا ملواں بنا ہوا چکنی اور چمکیلی سطح کا کپڑا۔ اِس کی بُناوٹ اِس طرح کی جاتی ہے کہ تانے کے تار اوپر کے رُخ ہموار سطح بناتے ہیں۔
اِعجاز (۸۱۰) : یہاں مراد ہے اعجازِ مسیحا سے [یعنی مُردوں کو زندہ کرنے والا معجزہ] ہونٹوں میں وہ اندازِ مسیحائی کہ گفتگو سے مردہ دل کو نئی زندگی مل جائے۔
اُفتاد (۱۳۶) : ناگہانی آفت، اچانک مصیبت۔
اُفتاد (۱۳۲۰، ۱۶۲۹) : مراد ہے گھر والوں کی سختیوں اور پابندیوں سے۔
اُفتاد پڑنا (۱۳۵۷، ۱۳۶۱) : مصیبت پڑنا۔
اَفزونی (۱۲۷۰) : زیادہ ہوجانا، بڑھ جانا۔
اَفعی (۶۱۹) : ایک قسم کا کالا سانپ۔
[اَفعیِ زلفِ یار : محبوب کی زلف کو افعی سے تشبیہ دی ہے]۔

اَقربا : رشتے دار۔
اَکسنا (۱۲۱۸) : ہلنا، ہٹنا [اکسنے تک نہیں پاتی ؛ کہیں اِدھر اُدھر جا نہیں سکتی]۔
اِکسیر : وہ مرکب جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُس سے تانبے کو سونا اور رانگے کو چاندی بنایا جا سکتا ہے۔ مجازاً : مقصد حاصل کرنے کے لیے بہت اثر دار اور نہایت مفید دوا یا ایسی ہی کوئی اور چیز۔
اَکھونکھو (۳۰۶) : عورتیں اکثر رات کو بچوں کو بہلانے کے لیے اپنا ہاتھ چراغ کی لو کی طرف لے جاتی تھیں اور اُدھر سے پلٹا کر وہی ہاتھ منہ پر پھیرتی تھیں اور زبان سے کہتی جاتی تھیں، اکھونکھو میاں کو [یا بی بی کو] اللہ رکھو۔
اَلبیلی (۹۲۳) : سیدھی سادھی، الھڑ، بھولی بھالی [نور]۔
اَلحَذَر (۴۱۸) : خدا کی پناہ، خدا بچائے۔
اَلحَذَر، اَلحفیظ (۹۳۶) : خدا بچائے، خدا محفوظ رکھے، خدا اپنی پناہ میں رکھے۔
اَلم اُٹھانا (۴۱۳) : غم اُٹھانا، رنج برداشت کرنا۔
اَللہ آمین سے پالنا (۵۴۵، ۱۳۴۳) : بڑے لاڈ پیار سے پالنا، دعائیں مانگ مانگ کر

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:55
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

اور منتیں مان مان کر پرورش کرنا۔

اَللّے تَللّے کرنا (۹۸۷): خوب مزے اُڑانا، عیش کرنا۔

اِمامِ ہُدا (۳۴۶): سیدھا راستہ دکھانے والا اِمام۔

اِمتیاز (۱۲۵۲): سمجھ، سلیقہ، شعور۔
[ہر اِک کو امتیاز نہیں، ہر ایک اِن باتوں کو، اِس راز کو نہیں سمجھ سکتا]۔

اِمتیاز نہیں (۱۴۶): اِس شعر میں یہ لفظ شوق کے مفہوم میں آیا ہے، یعنی مجھے سیر کرنے کا شوق نہیں۔

اِمداد ہوئی (۱۲۶۸): عطا ہوئی، بخشی گئی۔

اُمور (۱۶۲۱): بہت سے کام، بہت سے معاملات [" امر" کی جمع]۔ [مطلب یہ ہے کہ تم جو کچھ کہہ رہی ہو، یہ سب کون کرے گا]۔

اَنّا (۱۷۳۸): وہ عورت جو بچوں کو دودھ پلانے کے لیے ملازم رکھی جاتی تھی۔

اَنَا الحق (۶۲۰) میں خدا ہوں۔ [یہ منصور کا قول ہے، جس پر اُنھیں، علما کے فتوے کے مطابق قتل کر دیا گیا تھا]۔

اِنتباہ ہوا (۲۶۸): اپنی غلطی پر آگاہی ہوئی۔

اِن تِلوں تیل ہی نہ تھا (۲۵۹): مروّت تھی ہی نہیں۔

اَنکھڑیاں: آنکھیں۔

اُن کی پاپوش کو غرض تھی (۱۱۸۲): اُنھیں کیا ضرورت تھی، وہ کیوں بھیجتیں۔

اُنگلیاں اُٹھیں گی (۲۷۲): رسوائی اور بدنامی ہوگی۔

اِن گُنوں پر پتھر پڑیں: دیکھیے، پتھر پڑیں۔

اَنگور: دیکھیے، زخمِ جگر کا انگور۔

اَوج (۱۰): بلندی، مرتبہ۔

اَوصاف (۵)، تعریفیں، کمالات [" وصف" کی جمع]۔

اَوصاف (۱۶۱): بہ طور طنز کے یہ لفظ آیا ہے، یعنی میں آپ کی حرکات کے متعلق بہت کچھ سُن چکی ہوں۔

اَوقات (۱۳۴۴): زندگی۔ [اَوقات تلخ کی: مصیبتیں اُٹھائیں، پریشانیاں برداشت کیں]۔

اَوقات تَلَف کرنا (۳۴۰): وقت ضائع کرنا، زندگی خراب کرنا۔

اَوَل جَلَوَل (۷۰۲): بدسلیقہ، بے ڈھنگی۔

اُولی الاَمر (۴۳۱): صاحبِ حکومت، حاکمِ برحق۔ [شاعر نے مراد یہ لی ہے کہ واجد علی شاہ حاکمِ برحق ہیں اور خدا نے قرآن میں حاکمِ برحق کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اِس لیے لوگوں کے لیے واجد علی شاہ کی اطاعت لازمی ہے۔ آیت کے تذکرے کے لیے دیکھیے ضمیمہ تشریحات شعر ۴۳۱ کے تحت]۔

اَیّام (۲۰)، دن [" یوم" کی جمع]۔ مراد یہ ہے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:55
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

کہ زندگی کے دن ہنسی خوشی گزر رہے تھے۔

ایڑی چوٹی پر قربان کرنا (۱۹۰) : عورتیں کبھی غصے میں اور کبھی نفرت اور حقارت ظاہر کرنے کے لیے کہتی ہیں بے حیثیت، بے حقیقت شخص ہے، اس قابل ہے کہ اسے اپنے سر پاؤں پر سے قربان کروں۔

ایڑی چوٹی پہ نثار کرنا (۹۴۱) : دیکھیے : ایڑی چوٹی پر قربان کرنا۔

ایسے چودہ ہزار (۷۳۸) : ایسے بہت سے لوگ۔

ایک تو چوری اُس پہ سرزوری (۱۱۰۲) : اُس موقعے پر کہتے ہیں جب کوئی قصور کر کے نہ ڈرے اور اُلٹے ڈھٹائی کی باتیں کرے۔

ایک رنگ آنا ایک جانا : منہ پر ہوائیاں چھٹنا، چہرہ فق ہو جانا۔

ایک کو سائی، دوسرے کو بدھائی (۱۷۳) : ہر کسی سے وعدہ، ہر کسی سے اقرار، فریب اور مکاری سے لوگوں کو مختلف امیدوں پر لگا رکھنا [امیر اللغات]۔

ایک ہی لاٹھی سب کو ہانکنا (۲۰۴) : اچھا ادنا، اچھے بُرے میں امتیاز نہ کرنا، سب کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ کرنا۔

اِیکی : ایک ہی۔ [دیکھیے : ایکی مرشد ہو]۔

ایکی مُرشد ہو (۱۶۱) : بہت چالاک ہو، بہت عیار ہو، بڑے اُستاد ہو۔ [ایسے طنزیہ کلمات میں "ایکی" بہت اور بڑے کے مفہوم میں آتا ہے]۔

اَے لُو (۱۳۸) : عورتوں کا تکیہ کلام، لو دیکھو، لو سنو کی جگہ۔ [یہ کلمہ مردوں اور عورتوں دونوں میں مستعمل ہے]۔

اَے لُو خوبی تری صفائی کی (۱۳۸) : دیکھیے، صفائی۔

بات اُٹھنا (۱۶۴۳) : کسی کی سخت بات کو برداشت کرنا، جھڑکیاں سہنا۔

بات میں پَے نکال دیتا تھا : دیکھیے۔ پَے نکال دینا۔

باڑے کا فقیر (۹۵۷) : باڑا : قبرستان، تکیہ۔ وہ دان اور خیرات وغیرہ جو شادی میں ہندو لوگ فقیروں وغیرہ کو بطور خیرات دیتے ہیں۔ باڑے کا فقیر : قبرستان میں رہنے والا فقیر، تکیے دار، خیرات خوار فقیر۔

باغِ سبز دکھانا (۱۲۵) : فریب دینا، دھوکا دینا [نور]

باک نہیں (۳۶۲) : خوف نہیں۔ [یعنی کسی ڈر خوف کے بغیر جھوٹ بولے چلا جاتا ہے]۔

بال بیکا نہ ہو تیرا (۱۵۸۵) : تجھ کو کوئی صدمہ نہ پہنچے، تجھ پر کوئی مصیبت نہ پڑے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

بام : کوٹھا، چھت، بالاخانہ۔

باور : یقین۔

بائیں ہاتھ کا کھیل (۳۶۳) : بہت آسان کام۔

بایاں (۲۰۷) : وہ طبلہ یا مجیرا جو بائیں ہاتھ کی طرف رہتا ہے۔

بُتِ تَرسا (۴۹۷) : محبوب۔ [تَرسا : عیسائی، آتش پرست۔ بُتِ ترسا، کافر محبوب۔ مجازاً محبوب کے معنی میں آتا ہے اور اس شعر میں بھی اسی معنی میں آیا ہے]۔

بتّیس دانت میں زبان (۱۸۶) : جیسے ۳۲ دانتوں میں زبان گھری ہوتی ہے، اُسی طرح تم کو بہت سے حسین گھیرے رہتے ہیں۔

بَٹّوں (۱۰۵۸) : "بَٹّا" کی جمع۔ بَٹّا : وہ پتھر کا ٹکڑا جس سے سِل پر مسالا وغیرہ پیستے ہیں۔ بٹّے سے منہ توڑنا : سخت سزا دینا [توڑ]۔

بجا (۳۳۶) : بہت خوب، ٹھیک ہے، بجا و درست۔ ["بجا" یہاں نوبت کی رعایت سے آیا ہے]۔

بجاتی ہے (۷۰) : بجالاتی ہے۔

بجد ہیں (۷۲۴) : سب اصرار کرتے ہیں، کوشش کرتے ہیں۔ باربار سب لوگ کہ رہے ہیں۔

بجلیاں (۴۷۶) : کان کی لَو میں پہننے کا ایک زیور۔

بختاوری آتی (۱۱۶۰) : کیسی شامت آتی، کیسی مصیبت میں پھنستی۔

بختاوری آئی ہے (۸۹۴) : شامت آئی ہے۔

بد اِختلاط (۹۰۴) : بُری طرح چھیڑ چھاڑ کرنے والا۔

بدخواہ (۱۱۳۶) : دشمن۔ مطلب یہ ہے کہ میرے دشمن [یعنی میں] اگر تم سے محبت بھی کرتی تب بھی ... [یہ عورتوں کا خاص اندازِ بیان ہے، ناگواری کے موقعے پر کہتی ہیں کہ میرے دشمن ایسا کام کریں، یعنی اگر میں ایسا کام کروں]۔

بدی تھیں (۱۷۷۴) : قسمت میں لکھی تھیں۔

بُرجَستہ (۸۱۱) : موقعے کے مناسب، برمحل، بے ساختہ، فوراً بغیر فکر کیے، عمدہ۔

برہم (۲۱۴) : ناراض، خفا۔

بڑا بول پیش آنا (۴۵۶) : غرور کی سزا ملنا، مغرور آدمی کا ذلیل ہونا۔

بڑی رُوٹی (۹۲۶) : قرآن شریف۔

بِس بُونا (۷۵۱) : فساد کی بنیاد ڈالنا، کسی کے حق میں کانٹے بونا، بُرائی کرنا۔

بسمل (۵۹۰) : گھائل، زخمی۔

بعد چندے کے (۴۱۵) : کچھ دنوں بعد۔

382
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:56
rekhta.org/ebooks/masnaw

بَعْدَہٗ (۱) : اُس کے بعد۔
بغلیں جھانکنا (۲۰۲) : شرمندہ ہونا، بھاگنے کا موقع ڈھونڈنا۔
بَلائیں لینا (۳۰۴) : قربان ہونا، بہت پیار کرنا [عورتیں جب کسی عزیز کو پیار کرتی ہیں تو اپنے دونوں ہاتھ اُس کے سر پر پھیر کر، اپنی کنپٹیوں پر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں رکھ کر چٹخاتی ہیں۔ اُس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اُس کی ساری بلائیں ہم نے اپنے سر لے لیں]۔
بَل بے (۸۲۶) : واہ واہ، کیا کہنا [بطور طنز کے]۔
بَل رے بَل (۳۶۲) : تعجب اور نفرت کے ملے جلے جذبے کے اظہار کے لیے، خدا کی پناہ، توبہ توبہ۔
بَن آنا : تدبیر سمجھ میں آنا۔
بِنْتُ الْعِنَب (۶۲۶) : شراب [لفظی معنی: انگور کی بیٹی۔ بِنت: بیٹی۔ عِنَب: انگور]۔
بَنُّو (۲۴۲) : "بانو" کا مخفف : خانم، بیگم، دُلھن۔ پیار سے چھوٹی لڑکی کو بھی کہتے ہیں۔ دیکھیے: میری بنّو کا یہی لیکھا ہے۔
بُوس و کنار (۸۳۹) : لپٹا کر بوسے لینا۔
بُوقلموں (۱۱۱) : طرح طرح کے، مختلف رنگوں کے۔
بُوم (۱۲۸۰) : اُلّو۔

بہت آراستہ ہو (۹۴۹) : بہت شوق ہے۔ بہت آمادہ ہو۔ [آراستہ: تیار، سجایا ہوا، اسبابِ آرائش و زیبائش سے درست]۔
بہت آراستہ ہو صحبت کے : بہت شوق ہے تفریح کا۔ بہت ارمان ہے عیاشی کا۔
بَھتّی (۸۷۰) : وہ کھانا جو رشتے دار تین دن تک اُس کے گھر بھیجتے ہیں جہاں کوئی مر گیا ہو۔ اِس کھانے میں اکثر کھچڑی ہوتی تھی، اِسی لیے اِس کا ایک نام "کڑوی کھچڑی" بھی تھا [آصفیہ]۔ ("بھتّی" کی اصل بھات ہے)۔ [ہماری بھتی کھائے : عورتیں قسم دلانے کے موقعے پر بولتی ہیں۔ معنی یہ ہوتے ہیں کہ [اگر یہ کام کرے تو] ہمارا مرنا چاہے، ہمارا ماتم کرے، ہمیں پیٹے]۔
بہ خدا : خدا کی قسم۔
بہرام (۱۲۸۵) : ایک مشہور ایرانی بادشاہ کا نام جو گورخر [ایک مشہور جانور] کا شکار کیا کرتا تھا، اِسی لیے اُسے بہرام گور کہتے ہیں۔
بھرنا (۱۳۶۲) : نباہ کرنا، بسر کرنا۔ [بھرے گا کون : کون نباہ کرے گا، کون شادی کرے گا]۔
بہم کیا (۳۸۲) : اکٹھا کیا، ایک جگہ جمع کیا۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

بے ثبات (۱۳۹۹) : ناپایدار، فنا ہو جانے والا۔ [زندگی بے ثبات ہے، سب کو موت آنا ہے۔ زندگی کو ختم ہونا ہے]۔

بے حجابی ہے (۲۱۵) : بے شرمی ہے۔

بید (۴۹۲) : ایک لچک دار پہاڑی درخت جس میں پھل نہیں آتا اور جس کی پتلی پتلی شاخیں ہر وقت حرکت کرتی رہتی ہیں۔ اِس درخت کی شاخ یا شاخ کی چھال عموماً کرسیاں وغیرہ بُننے کے کام آتی ہے۔

بَیر میں ہے (۱۳۱۹) : ایسی دشمنی کر رہا ہے، اِس قدر زیادہ ہے۔

بے سِوَیّوں عید کہاں (۳۶۹) : آدمی کو جس چیز کا شوق ہوتا ہے، اُس کے بغیر وہ نہیں رہ سکتا۔ اُس کے بغیر اُس کے لیے ہر چیز ادھوری ہے۔

بے عدیل و نظیر (۱۲۹۲) : جس کی کوئی مثال نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی دوسرا اُس جیسا خوب صورت نہ تھا۔

بے قرینے کر ڈالا (۱۰۷۱) : بہت پریشان کر دیا، بُری طرح مسل ڈالا۔

بیگاری (۱۳۴) : وہ شخص جسے مفت کام کرنے پر مجبور کیا جائے۔

بِین (۳۱) : ستار کی طرح کا ایک باجا، جس کے دونوں سروں کے نیچے دو تُونبے اور اوپر ایک ڈانڈ پر سات تار لگے ہوتے ہیں۔ اس میں پردے نہیں ہوتے، تربیں ہوتی ہیں اور مضراب سے بجاتے ہیں۔

بے وَسواس (۱۱۹۰)، کسی ڈر خوف کے بغیر۔ بے تکلفی کے ساتھ [پوری بات کہہ دی]۔

بے ہنگام (۵۱۸) : ناوقت۔ [یعنی یہ دوا کرنے کا وقت نہیں]۔

پاپوش : جوتی۔

پاپوش کبھی نہ آئے گی (۲۴۷)، میں تو کیا، میری جوتی بھی نہ آئے گی، یعنی میں نہیں آؤں گی۔ نفرت اور حقارت ظاہر کرنے کے لیے عورتیں اِس طرح کہتی ہیں۔

پاپوش کبھی نہ مارنا (۱۱۸۴) : حد درجہ حقیر اور بے وقعت سمجھنا، ذرا بھی لحاظ نہ کرنا، ٹھکرانا۔

پاپوش سے (۱۳۴۷) : بلا سے جان چلی جاتی، کچھ پروا نہیں۔ [مطلب یہ ہے کہ خواہ میری جان چلی جاتی، میری طبیعت نہیں بدلتی]۔

پاپوش کو غرض تھی (۱۱۸۲) : دیکھیے، اُن کی پاپوش کو غرض تھی۔

پانی پانی تھا (۸۱۵) : دل میں شرمندگی تھی،

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

شرم اور غیرت کے اثر سے دل پگھل گیا تھا، پسینے پسینے ہو رہی تھی۔

پاؤں پوجنا (١١٩٨) : اصلی معنی ہیں تعظیم کرنا۔ طنزاً : قائل ہو جانا، ہار مان لینا۔ [آپ کے پاؤں پوجیے : مان گئے آپ کو، قائل ہو گئے آپ کی چالاکی کے اور اُستادی کے، آپ اِس قابل نہیں کہ آپ سے ملا جائے]۔

پاؤں پھیلانا (٢٢٥) : لالچ کرنا، ہوس کرنا، حد سے بڑھنا۔

پتھر پڑیں : غارت ہو، تباہ ہو، لعنت ہے، تُف ہے۔ [عورتیں خاص طور پر کوسنے کے طور پر استعمال کرتی ہیں]۔

پٹکی پڑ جائے (٣٠٨، ٩٥٠) : غارت ہو، غضب نازل ہو۔ [بد دُعا اور کوسنے کے طور پر]۔

پٹم ہو جائیں (٩٩٥) : آنکھیں پھوٹ جائیں، اندھا ہو جائے۔

پچنا (٣٠) : ہضم ہونا۔

پر (٣٢) : لیکن۔

پُرزے اُڑانا (٣٣) : ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ [دل کے پُرزے پُرزے اُڑاتے تھے : مطلب یہ ہے کہ اپنی خوش آوازی سے دل موہ لیتے تھے، دل پر بہت اثر ہوتا تھا]۔

پری تمثال (٣٢٧) : پری کی طرح، خوب صورت۔ [تمثال : پیکر، صورت]۔

پس گئے (٣٣٣) : عاشق ہو گئے۔

پگاہ (١٥٣٠) : صبح کا وقت۔

پلا آتا ہے (٩٥٨) : قریب گھسا چلا آتا ہے۔

پلنگڑی (١٠٥٠) : چھوٹا پلنگ۔

پنجشنبہ (١٣٥٢) : جمعرات۔

پنڈا (٨٥٣) : جسم، بدن۔

پنڈا پھیکا ہونا : جسم گرم ہونا، ہلکی حرارت [ہلکا بُخار] ہونا۔

پنس [فنس، پینس] : پالکی کا دوسرا نام۔ پالکی : لکڑی کی بنی ہوئی مستطیل شکل کی چھت دار، چاروں طرف سے بند، دو دروازوں والی سواری، جس میں آگے پیچھے دو موٹے ڈنڈے لگے ہوتے تھے، اِسے کہار کندھوں پر اُٹھاتے تھے۔ زنانی "فنس پر سرخ چھکے [پردے] پڑے ہوتے، جن پر کبھی گوٹا لچکا بھی ٹانک دیا جاتا۔ کہار سُرخ بانات کے چُغے پہنے ہوتے، سروں پر سُرخ کگر دار پگڑیاں ہوتیں.... زنانی فنس کے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:56
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

ساتھ ایک کہاری چھنکے کا کونا پکڑے دوڑتی جاتی۔ اُن کہاریوں کی وضع بھی خاص قسم کی تھی۔ سب سے بڑی پہچان یہ تھی کہ لہنگے میں اِتنی چوڑی گوٹ ہوتی ہے کہ اُس کا آدھے سے زیادہ حصّہ فقط گوٹ کا ہوا کرتا تھا۔ [شررؔ، گذشتہ لکھنؤ]۔

پُننا، بُرا بھلا کہنا، عیب ظاہر کرنا۔ باپ دادا کا نام لے کر گالیاں دینا۔

پُن کے رکھ دوں گی (۹۱۲): ابھی ساری حقیقت کھول کر رکھ دوں گی، سارے عیب گِنا دوں گی۔

پھبتی (۳۳۶): مزاحیہ یا طنزیہ فقرہ جو تشبیہ کے طور پر کسی پر ٹھیک ٹھیک چسپاں ہو جائے [جیسے اِس سے پہلے کے شعر میں ہیرو کو "نوبت کا ڈھولسا" کہا گیا ہے]۔

پھٹ پڑے سونا جس سے ٹوٹیں کان (۹۱۴): جس چیز سے آخر میں نقصان ہو، اُس کے ظاہری فائدے یا وقتی چمک دمک سے کیا حاصل۔ ایسے کام یا چیز سے کیا فائدہ جس سے آخر میں نقصان ہو، پریشانی ہو۔ [سب نسخوں میں "پھٹ پڑے" ہے۔ نور اور آصفیہ میں "بھٹ پڑے" ہے اور اسی کو صحیح لکھا گیا ہے]۔

پھٹے منہ (۸۳۱، ۱۰۱۴): حقارت کا کلمہ ہے۔ نحوست کا مارا، جس کے چہرے پر پھٹکار برستی ہو، ملعون۔

پھول گئے (۹۰۰): مغرور ہو گئے، اِترانے لگے۔

پَے (۱۳۲۵): لیے، واسطے۔ [پَے تسکیں: تسکین کے لیے]۔

پیٹ سے پاؤں نکالنا (۸۹۸): شرارت پر آمادہ ہونا، حد سے بڑھ چلنا، کسی شخص میں چھپی ہوئی بُرائی کا اُس کی حرکتوں سے ظاہر ہونا۔ ناشایستہ حرکتیں کرنا۔

پیٹنا (۸۷۱، ۸۴۹): بُرا چاہنا، کسی کی موت چاہنا۔ [اب اگر ہاتھ مروڑے، یا ہماری طرف دیکھے، تو ہمارا مراتبہ دیکھے]۔

پیچ و تاب: لپیٹ، بل۔

پیچ و تاب کا کل کا (۸۱۳): زلفوں کا بل، زلفوں کی لہریں۔

پیسے پر بوٹیاں کاٹنا (۱۰۹۲): بے حد تکلیف دینا، سخت سے سخت سزا دینا۔

پَے نکال دینا (۵۸۵): کوئی عیب یا خرابی نکال دینا۔

تابوت (۵۵۶، ۱۵۰۸، ۱۷۴۳): وہ صندوق جس میں لاش رکھی جاتی ہے، جنازہ۔

386
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

تاب وتَواں : طاقت، حوصلہ، صبر وقرار۔

تاجِ فرقِ پیمبرانِ سَلَف (٢) ، پچھلے پیمبروں کے سرکا تاج، یعنی سارے پچھلے پیمبروں سے افضل، اُن کے سردار۔ [فرق : سر]۔

تازہ فَیل (٢٤٣) ، نیا فریب۔

تازہ گُل پھولا (٣١٨) ، نئی بات ہوئی۔

تَبخالہ (١٢٧٣) : وہ چھالا جو بخار کی گرمی سے ہونٹوں پر یا اُن کے آس پاس پڑجاتا ہے۔

تَپ (١٣٩٦) ، گرمی، حرارت۔

تَپاں (١٧٣٦) : تڑپتا ہوا، بے قرار، بے چین۔

تریاق (٦١٩) ، زہر مہرہ، زہر کا اثر دور کرنے والی دوا۔

تِشنۂ خوں (٢٥٨) : خون کی پیاسی، جان کی دشمن۔

تَصَدُّق (٨٩٥) : قربان، صدقے، نثار۔

تعزیر (١٣٢) ، سزا۔

تقصیر (١٣٢) : قصور۔

تَلَف کرنا (٣٤٠) ، ضائع کرنا، گنوانا۔

تماش بین (٥٩) ، عیّاش، شوقین مزاج، بدکار۔

تم نے اُڑائیں ہم نے بھون بھون کھائیں (٣٤٩) : تمھاری چالاکی ہمارے ساتھ نہیں چل سکتی، ہم تمھاری چالیں خوب سمجھتے ہیں، ہم تمھارے بھی اُستاد ہیں۔

تنکے چُننا (٦٣١) : دیوانوں کے سے کام کرنا، بدحواس ہوجانا۔

توأم (١٧٣٩) ، ساتھ ساتھ۔

تَوسَن (١٠٥) ، گھوڑا۔

تُوم ڈالنا (٩١٣) : غصّے میں کسی کی ایک ایک بُرائی ڈھونڈ ڈھونڈ کے بیان کرنا، کھری کھری سُنانا۔ [تُومنا : روئی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا، جب روئی کو دُھنا جاتا ہے تو اُس کے ریشے الگ الگ ہوجاتے ہیں۔ مجازاً : عیب کھولنا]۔

تو نہیں تیرے بھائی تیس ہزار (٣٥٣)، تم نہیں تو تم جیسے بہت ہیں۔

تُھڑی تُھڑی ہونا (٢٧١) ، رسوائی ہونا، ذلت ہونا۔

تیرھویں کا جلسہ : دیکھیے میری تشریحات، شعر ٣٣۔

تیری جان سے دور (١٥٠٢) : دُعائیہ فقرہ، خدا کرے تیری جان سلامت رہے، تجھ پر آنچ نہ آئے۔

تیرے چاٹے پیڑ تک نہ رہیں ، تیرے کاٹے کا منتر نہیں، تیری مکّاری کا کوئی علاج نہیں (٩٣٧)۔

تیغِ ابرو (٤٤١) ، بھوؤں کو تلوار سے تشبیہ دی ہے۔

تین دن قبر میں بھی بھاری ہیں (١١١٠) : یہ روایت ہے کہ قبر میں فرشتے تین دن تک حساب کتاب کرتے ہیں۔ یعنی مردے پر بھی تین دن

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

بھاری ہوتے ہیں۔

ٹال دیا (۱۲۱) : مراد یہ ہے کہ غیر ذمے داری کے ساتھ کام کیا، صحیح طور پر کام نہیں کیا۔ جس طرح کام کرنا چاہیے تھا، اُس طرح نہیں کیا۔

ٹپّا (۲۰۷) : "ملکِ پنجاب میں بزبانِ ملک، از دو مصرع تا چہار مصرع، قافیہ جدا جدا، مضمون، مرگ و افسونِ جاں پرورِ عشق دیگر" [معدن الموسیقی، ص ۱۶۶]۔ مزید دیکھیے ضمیمہ تشریحات میں شعر ۲۰۷ کے تحت۔

ٹھٹھیرے ٹھٹھیرے بدلائی (۲۳۶) : اُس جگہ بولتے ہیں جہاں دو ہوشیار ہم پیشہ یا ہم فن باہمی لین دین، کاروبار یا بحث و مباحثہ کرتے ہوں اور دونوں برابر کے ہوں ہوشیاری میں۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاؤ (۹۲۳) : یہاں تمھارا مقصد پورا نہیں ہوگا اِس لیے چلتے بنو، یہاں سے جاؤ۔

ٹھنڈی گرمیاں (۹۲۲) : اوپری محبت، دکھاوے کا اختلاط، جھوٹی گرم جوشی۔

ثبات (۳۷۲) : پایداری، اپنی حالت پر قائم رہنا، مضبوطی۔ [مراد یہ ہے کہ آپ کے کچے قول کا کیا بھروسا]۔

جامہ زیب بدن (۱۲۹۷) : جس پر ہر قسم کا لباس اچھا معلوم ہو۔

جامے سے باہر ہوگئی (۳۱۲) : غصّے میں بے قابو ہوگئی، بے حد غصّے میں بھر گئی، اپنے آپے میں نہیں رہی۔

جان کھونا : رنج و غم کرنا، رنج و غم میں بے تاب ہو جانا۔

جان کے لالے پڑنا (۱۲۷۳) : جینے کی امید نہ رہنا۔

جاں گداز (۱۱) : جان کو گھلا دینے والا، جان لینے والا، دُکھ دینے والا۔

جان ہلکان ہوگئی (۱۰۷۲) : بہت تھک گئی، بہت پریشان ہوگئی، بہت مصیبت جھیلی۔

جاودانی (۱۲۳۱، ۱۲۶۲) : ہمیشہ رہنے والا۔

جائے حسرت تھی (۵۵) : مطلب یہ ہے کہ اس پر لوگوں کو حسرت ہونا ہی چاہیے تھی کہ ہم اِس سے محروم ہیں۔

جائے سخن نہیں (۱۲۶۶) : اِس سے زیادہ کچھ کہنے کی گنجایش نہیں کہ..... اِس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ.....۔

جَبْہہ : پیشانی، ماتھا۔

388
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

جَبہہ سائی (۳۲۷) : سجدہ کرنا۔ [وقتِ جبہہ سائی ہے، تعظیم کے لیے سجدہ کرنے کا وقت ہے]۔

جَراحَت (۶۲۵) : زخم۔

جس کو چاہے اُسی کا حلوا کھائے (۸۳۶) : عورتیں اِس طرح قسم دیتی ہیں، منع کرتی ہیں ؛ جو سب سے پیارا ہو اُسی کا مرا منہ دیکھے۔ [مطلب یہ ہے کہ اب جو ہمیں ہاتھ لگائے تو ہمارا مُردہ دیکھے، ہمارا مرا منہ دیکھے]۔

جُگَت (۷۹۱، ۱۰۷۰) : ایسے لفظ استعمال کرنا جن میں حقیقتاً معنوی ربط نہ ہو لیکن اُن کا تلفظ، املا یا باہمی نسبت ایسی ہو کہ معنوی ربط کا دھوکا ہو۔ اِسے "ضلع جگت" بھی کہتے ہیں۔ [شوق کی مثنویوں میں ضلع جگت بہت سے اشعار میں ملتا ہے، مثلاً : کوئی گل رو جو دیکھا پھول گئے۔ پھول اور گل کے لفظ ضلع کی نسبت کے ساتھ آئے ہیں]۔

جُگَت لڑنا (۳۳۸) : ضلع میں بات چیت کرنا۔ گفتگو میں ایسے لفظ استعمال کرنا جن میں ضلع کی نسبت شامل ہو۔

جُل (۱۹۹) : فریب، دھوکا۔

جلسہ (۳۴) : ناچ گانے کی محفل۔ تیرھویں کا جلسہ : مراد ہے اُس محفل سے جو حسین آباد کے تالاب پر ۱۳رجب کو ہوا کرتی تھی۔ دیکھیے ضمیمۂ تشریحات شعر ۳۴ کے تحت۔

جُل میں پڑ گئی (۹۰۲) : فریب میں آگئی، دھوکا کھا گئی۔

جَم جَم سے (۱۳۹، ۹۱۹، ۱۳۳۳) : ہمیشہ سے، ماشاءاللہ، کیا کہنا۔ [عورتیں طنز کے طور پر اِس طرح کہتی ہیں]۔

جَمی جَم (۷۵۰) : ماشاءاللہ، کیا کہنا۔ [عورتیں طنزیہ کلمے کے طور پر استعمال کرتی ہیں]۔

جُنون (۱۱۱) : کنایتاً عشق، بہت رغبت اور پسندیدگی کے ساتھ کسی چیز کی دُھن۔ [جُنون ہو، آدمی اُن کے حُسن پر بے اختیار عاشق ہو جائے]۔

جَوان جَہان (۳۷۰) : خوب جوان، پوری جوانی پر، بھرپور جوان۔

جَور (۳۱۴) : ظُلم۔

جُوہی (۱۱۵) : ایک قسم کی جنگلی چنبیلی۔

جھوٹے کا کلیجا ہے (۱۱۸۱) : جھوٹ ہے، جھوٹا ہے [عورتوں کی زبان]۔

جیتی مکھی نگلنا (۱۸۳) : جان بوجھ کر ناپسند چیز کو پسند کرنا، دانستہ غلطی کرنا۔

جی سے گزر گئی (۳۱۵) : مرگئی۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

8:57
rekhta.org/ebooks/masnaw

جی گنوانا (۱۸۵): جان دینا، مرجانا۔

چادرِ گُل (۱۷۲۵): پھولوں کی چادر [جو قبر اور مزارات پر چڑھائی جاتی ہے]۔

چار آنکھ کرتا ہے: دیکھیے آنکھ چار کرتا ہے۔

چالاک (۲۳، ۷۸۷): شوخ و شنگ، جوانی کے اثر سے جسم میں شوخی و شرارت بھری ہوئی ہو [بہ قولِ شوق: بوٹی بوٹی پڑی پھڑکتی ہے]۔

چالاکی (۱۵): تیزی، رفتار کی تیزی، پھرتی۔

چالاکی (۱۷۴): جوانی کے اثر سے بدن میں شوخی و شرارت کا یک جا ہونا۔ دیکھیے: چالاک۔

چاہِ ذَقَن (۴۴۱): وہ چھوٹا سا گڑھا جو ٹھوڑی کے بیچ میں ہوتا ہے۔ [چاہ: کنواں۔ ذقن: ٹھوڑی]۔

چپنی بھر پانی میں ڈوب مرے (۹۶۱): غیرت اور شرم دلانے کے لیے کہتے ہیں۔

چچی سمجھ لوں گی (۱۵۰): مراد یہ ہے کہ سزا دوں گی۔ [دیکھیے ضمیمۂ تشریحات شعر ۱۵۰]۔

چَرخ: آسمان۔

چَرخِ بے مَدار (۱۵۷۱): آسمان جو کسی ستون یا سہارے اور مرکز کے بغیر بلند ہے۔

چشمِ خوں چکاں (۶۲۲): جس آنکھ سے خون کے آنسو بہہ رہے ہوں۔

چَشمک (۱۰۱۸): آنکھ کا اشارہ [طنزاً] نوک جھوک، طعنے تشنے۔

چشمِ گریاں (۱۷۲۷): روتی ہوئی آنکھیں۔

چکنا گھڑا (۹۵۹): بے حیا، بے غیرت، بے شرم۔

چل چَخے (۳۷۹، ۸۱۷، ۹۳۰، ۹۵۲، ۱۰۱۶): نامراد، بے ہودہ، دفع ہو، دور ہو۔ [کلمۂ اظہارِ نفرت]۔

چَم چچڑ (۹۵۴): پیچھا نہ چھوڑنے والا۔ [چچڑی: ایک قسم کا چھوٹا سا خون پینے والا کیڑا، جو عموماً کتے، بکری، گائے، بھینس وغیرہ کی کھال سے چمٹا رہتا ہے اور آسانی سے نہیں چھوٹتا]۔

چمن (۱۱۳، ۱۱۶، ۱۱۷): باغ کے اُن ٹکڑوں (قطعات) کو کہتے ہیں جہاں سبزہ ہو اور پھول ہوں، پھولوں کے پودے لگائے گئے ہوں، تختۂ باغ۔

چَوسر (۵۷۹): چوپڑ، پچیسی۔ فرق یہ ہے کہ پچیسی کوڑیوں سے کھیلی جاتی ہے اور چوسر کا پانسا ہوتا ہے جس سے کھیلتے ہیں۔

چَوک (۴۵۸): دیکھیے ضمیمۂ تشریحات شعر ۴۵۱ کے تحت۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

4G 40 8:57
rekhta.org/ebooks/masnaw 3

چوکھٹ بھی نہ نانگھوں (۱۱۰۵) : مراد یہ ہے کہ اب کبھی تیرے گھر نہیں آؤں گی۔

چوکھی (۱۹۴) : عمدہ، اچھی، خوب صورت۔

چوکی بھرنا (۱۳۴۶) : کسی بزرگ کے مزار پر مراد پوری ہونے کے بعد منت پوری کرنا، نذر نیاز کرنا۔ [درگاہ جاکر چوکی بھرتی تھی، نوچندی جمعرات کو حضرت عباس کی درگاہ میں حاضر ہوکر منت مانتی تھی، نیاز دلواتی تھی]۔

چوکی (۱۶۷۸) : وہ چھوٹا تخت جو درمیان سے کٹا ہوا ہوتا ہے اور جس کے نیچے رفع حاجت کے لیے تشت یا کونڈا رکھا جاتا ہے۔

چوکی پہ لوٹا نہ رکھواؤں : عورتیں بہت زیادہ حقارت ظاہر کرنے کے لیے کہتی ہیں۔ معمولی اور ادنا کام بھی نہ کراؤں۔

چونی کہے مجھے بھی گھی سے کھاؤ (۳۳۲) : ادنا آدمی بھی بڑوں کی برابری کرنے لگا۔ اپنی حیثیت سے زیادہ باتیں کرنے لگا۔ [چونی : دال کا چھلکا ملا ہوا باریک چورا، جو دَلنے اور چھاننے سے نکلتا ہے]۔

چھائیں پھوئیں (۸۹۲) : خدا بچائے، خدا دور ہی رکھے۔ [کسی سے دور رہنا اور اُس سے بچنے کے موقعے پر عورتیں کہتی ہیں]۔

چھتیسا پن (۱۱۰۱) : چھل فریب، کینہ پن، مکاری۔

چھٹ ترے (۹۷۵) : تیرے سوا۔

چھری تلے دم لو (۸۸۲) : ٹھہرو، ذرا صبر کرو۔

چہرے پر مہتاب چھوٹنا : منہ پر ہوائیاں اُڑنا، چہرے کا رنگ زرد ہو جانا۔

چہرے پر ہوائی چھٹ رہی ہے (۱۷۹۳) : چہرے کا رنگ اُڑ گیا ہے، بد حواس نظر آرہے ہو۔

چھوٹے کپڑے (۸۴۳) : انگیا، سینہ بند۔

چہ می گوئیاں (۹۵۱) : دوستانہ نوک جھوک، گپ شپ، شوخیاں۔

چیونٹیوں کا بھرا کباب (۱۸۷) : جھگڑے کی چیز، مصیبت کا گھر۔

حادِث (۱۳۶۳) : قدیم کی ضد، فنا ہونے والا۔

حاضرات (۵۱۳) : دعائیں یا منتر پڑھ کر جن، بھوت پریت اور روحوں کو یا بد روحوں کو بلانے اور حاضر کرنے کا جلسہ جو عام طور پر عامل لوگ کیا کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اِس طرح ان روحوں یا بد روحوں کے ذریعے اَن دیکھے حالات معلوم کر لیتے ہیں۔

حد سے زیاد (۶۰) : بہت زیادہ۔

حرّافہ (۱۵۱) : چالاک، مکار، شوخ دیدہ۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:57
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

ترکت دستِ غیر میں ہے (۱۴۱۹)، مطلب یہ ہے کہ خود اُٹھ بیٹھ نہیں سکتا، کسی کی مدد کے بغیر کروٹ بھی نہیں بدل سکتا۔

حزیں (۶۳۳)، غمگین، رنجیدہ۔

حَسَبُ الطَّلَب (۱۲۰۵)، بُلانے پر۔

حسبِ دستور (۱۰۳)، قاعدے کے مطابق، معمول کے مطابق۔

حسبِ دل خواہ (۷۶)، پسند کے مطابق، دلی خواہش کے مطابق۔

حُسین آباد، دیکھیے ضمیمۂ تشریحات شعر ۳۲۔

حلوا کھائے، دیکھیے، جس کو چاہے.....۔

حواس پکڑ (۳۷۹)، عقل کی بات کر، ہوش میں آ۔

خاتَمُ الاَنبیا (۴۲۴)، سب سے آخری نبی [جن کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا] مراد ہے رسول اللہ سے۔

خاصْدان (۱۲۰۳)، پان کی گلوریاں رکھنے کا گُنبد نما ظرف، جو چاندی، بھرت یا تانبے وغیرہ کا ہوتا ہے۔

خاک اُڑانا (۱۶۸۹)، دھول اُڑانا، گرد و غبار اُڑانا۔ میت کا سُوگ کرنے کے لیے بھی خاک اُڑاتے ہیں" [نور]۔

خاک چھنوانا [۱۲۷۵]، خاک چھاننا کا متعدی۔

خاک چھاننا، بہت ڈھونڈنا، بہت تلاش کرنا، تلاش میں مارے مارے پھرنا۔

خاک چھنوائی، بہت دوڑایا، تلاش میں بہت حیران کیا۔

خاکِ شِفا (۵۵۵)، لفظی معنی، شفا دینے والی اور تندرست کرنے والی مٹی۔ مراد ہے شہدائے کربلا کے مدفن کی خاک، وہاں کی خاک سے بنی ہوئی ٹکیا۔

خال (۶۱۷)، وہ قدرتی سیاہ تل جو جسم پر ہوتا ہے۔ [عارض کا خال، وہ تل جو گال پر ہوتا ہے]۔

خانگی (۷۲۹، ۱۳۴۱)، وہ پردہ نشیں عورت جس کا پیشہ زناکاری ہو۔

خانُماں خراب (۱۸۷)، تباہ، برباد، جس کا گھر بار اُجڑ گیا ہو۔

خانہ باغ (۶۳۶)، وہ باغ جو مکان کی چار دیواری کے اندر ہو۔ گھر کے کسی حصّے سے ملا ہوا باغیچہ۔

خُدا کی سنوار (۸۱۹)، عورتوں کی زبان میں کلمۂ انکار، تجھ پر خدا کی مار، پھٹکار۔

خُدائی خراب (۷۶۷)، آوارہ، خانہ خراب۔

خُدائی ہے (۱۳۱۴)، مطلب یہ ہے کہ خدا ہی بچائے تو بچ جائے ویسے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:57
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

خرمن (۸۱۴) : ڈھیر، غلّے کا ڈھیر، کھلیان۔
[خرمنِ جاں پہ برقِ آفت تھی ؛ جس طرح بجلی گر کر کھلیان [غلّے کے ڈھیر] کو جلا دیتی ہے، اُسی طرح اُس کا حُسن بھی صبر و قرار کو پھونک دینے والا تھا]۔

خروش (۱۶۹۵) : شور غل، رونے کی آواز، فریاد۔

خضرِ طریقِ عشق (۶۲) : عشق کے راستے کے رہبر۔

خَفَقان : اصلاً دل کی ایک بیماری کا نام جس میں دل کی حرکت بڑھ جاتی ہے۔ مجازاً، گھبراہٹ، وحشت۔

خَفَقاں کرنا (۱۷۰۵) : کسی خطرے کے اندیشے سے گھبرانا، وہم کرنا۔

خَفَقانی مزاج (۳۱۳) : وہ شخص جس کے مزاج میں گھبراہٹ ہو۔

خَلخال (۸۰۶) : پاؤں میں پہننے کا ایک زیور جس میں گھنگرو لگے ہوتے ہیں، پازیب، پایل۔

خُلق (۴۲۱) : عادت، خصلت، ملنساری، مروّت، خوش مزاجی۔

خندۂ زخمِ عاشقاں (۶۲۰) : "خندۂ زخم" کے معنی ہیں: زخم کا ہنسنا، زخم کے کھِل جانے اور اُس میں سے مواد رِسنے کی کیفیت۔ مراد یہ ہے کہ اِس عشق سے کہیں عاشقوں کے زخم تازہ ہو رہے ہیں، بڑھ رہے ہیں۔

خوب گرمی کی (۷۲۸) : اچھی محبت جتائی۔

خوبی تری صفائی کی (۱۳۸) : دیکھیے، صفائی۔

خود بینی (۶۲۴) : اپنے ہی کو دیکھنا، اپنی ذاتی پسند کو سب سے بڑھ کر سمجھنا، غرور۔

خود پسند (۶۱۵) : اپنے آپ کو سب سے بڑا سمجھنے والا، سرکش، مغرور۔

خود رفتہ (۱۸۱۲) : جذبات کی زیادتی میں ڈوبا ہوا، جذبات سے مغلوب، بیخود۔

خود سَر (۱۸۸) : مغرور، ضدی، خود پسند۔

خود فراموشی (۱۳۲۸) : اپنی حالت سے بے خبر ہونا۔

خود کام (۷۳۹) : خود غرض، مطلب کا آشنا۔

خوش آنا (۱۷۶) : اچھا لگنا، پسند آنا۔
[خاک جو خوش آتا ہو : ذرا بھی پسند نہیں]۔

خوش اُسلوب (۲۴، ۴۱) : عمدہ وضع کا، خوب صورت، حسین، خوش ادا۔

خوش اِلحان (۱۴۹۷) : اچھی آواز والا، دل کش اور پُر اثر آواز والا۔

خوش بیان (۲۶) : وہ شخص جس کے کلام یا تقریر میں اندازِ بیان کی خوبی پائی جائے، شیریں کلام۔

خوش جمال (۲۵) : خوب صورت، حسین و جمیل۔

خوش جمالی (۲۷) : خوب صورتی، حُسن۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:57
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

خوش ظاہر (۲۵)، شکل صورت کے لحاظ سے حسین، خوب صورت۔

خوش غلاف (۱۳۹)، عیاش، بدچلن۔

خوش گلو (۴۱، ۱۲۹۳)، اچھی آواز والا، سُریلا، خوش آواز۔

خوں بہا (۱۶۶۳)، جان کا معاوضہ، وہ نقدی جو مقتول کے وارث اُس کے عوض میں لیں۔ [بہا، قیمت]۔

خون رکھنا (۷۵۵)، قتل کا الزام دینا، قتل کا ذمّے دار ٹھہرانا۔

خویش واقربا (۱۷۳۹)، عزیز، رشتے دار۔

خیبر، دیکھیے ضمیمۂ تشریحات شعر ۸۔

خیلا (۷۰۱)، پھوہڑ، بے وقوف، بے سلیقہ، بے ڈھنگی۔

خیلا بنانا (۸۹۳)، بے وقوف بنانا، بے وقوف سمجھنا۔

دارِ فنا (۵۴۲)، دُنیا۔ [دار، گھر]۔

دال میں کچھ نہ کچھ تو کالا ہے (۱۲۵)، کچھ نہ کچھ خرابی ضرور ہے، کچھ شبہہ ہے، شک ہے۔

دائی (۱۷۳۸)، بچّے کو دودھ پلانے والی عورت، جو بچّے کی دیکھ بھال بھی کرتی ہے۔ اُتا۔ وہ عورت جو میکے سے دُلہن کے ساتھ آتی ہے خدمت کرنے کے لیے۔

دائی بندی (۱۸۹)، جب کوئی بُری بات اپنے لیے یا کسی اور کی نسبت کہنا ناپسند ہو تو اُس وقت عورتیں اشارہ کرنے کے لیے "دائی بندی" کہتی ہیں۔ [مثلاً: دائی بندی کی تو گھٹی میں پڑی چاہ نہ تھی، یعنی میں چاہ سے واقف نہ تھی]۔

دائی بندی کا کیا حال ہوا (۱۳۵۶)، یعنی تمھارا کیا حال ہوا۔ [دیکھیے، دائی بندی]۔

دُخت (۱۳۰۴)، بیٹی۔ [دُختِ سوداگر، سوداگر کی لڑکی]۔

دُختر (۶)، بیٹی۔

درگاہ حضرت عباسؓ، دیکھیے ضمیمۂ تشریحات شعر ۳۳۔

درگاہ (۳۳، ۶۳، ۱۱۱۳، ۱۳۵۲، ۱۳۶۹)، درگاہ حضرت عباسؓ۔ دیکھیے ضمیمۂ تشریحات شعر ۳۳۔

درگذر مجھ سے (۱۰۱۷)، مجھے چھوڑ دے، جانے دے، میرے ساتھ یہ سلوک نہ کر۔

دَرگور (۹۰۴، ۹۵۳، ۱۰۵۶)، کوسنا، مرجائے، غارت ہو، قبر میں جائے۔

دسترس (۱۳۱۹)، قابو، قدرت، طاقت

دَفعتہً (۱۳۵۷)، اچانک۔

دل خواہ (۱۰۱)، مرضی کے مطابق، پسند کے مطابق۔

دل سوز (۱۳۷۵)، دل کو جلانے والی۔ [جُدائی کی آگ دل کو جلانے لگی]۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:57
rekhta.org/ebooks/masnaw

دل سُوز (۱۲۰۰) : ہمدرد، غم خوار۔

دَم پہ چڑھ جانا (۴۶۷) ، فریب میں آجانا، باتوں میں آجانا۔

دَم جانا (۵۹۶) ، عاشق ہوجانا. جس پہ دَم دشمنوں کا جاتا ہے ، آپ جس پر عاشق ہیں۔ ["دم جانا" کے ایک معنی "مرجانا" بھی ہیں، اِس لحاظ سے (بدشگونی کو بچانے کے لیے) بجائے یہ کہنے کے کہ آپ عاشق ہیں، یہ کہا ہے کہ آپ کے دشمنوں کا جس پر دم جاتا ہے]۔

دَم چُرانا (۲۰۷) ، اپنے آپ کو مُردہ ظاہر کرنے کے لیے سانس روک لینا۔

دَم دینا (۲۲۲، ۷۶۶، ۸۷۲) ؛ فریب دینا، بہکانا، دُھوکا دینا۔

دَم میں آگئی (۴۰۷) ، دھوکا کھاگئی، بہکانے میں آگئی۔

دَمَن (۱۳۹۵) : ہندوستان کے ایک راجا کی بیٹی کا نام جو راجا نَل کی محبوبہ تھی. فیضی نے مثنوی نل دمن میں اِن دونوں کا قصّہ لکھا ہے۔

دَم نکلنا (۱۷) ، عاشق ہونا، فریفتہ ہونا، طبیعت آنا۔

دَم نہ چلے گا (۱۰۴) ؛ فریب نہیں چلے گا، یعنی میں دھوکا نہیں کھاؤں گی۔

دوا و دَوِش (۵۱۸) ، دوا اور دوڑ دھوپ، کوشش۔ [مزید دیکھیے ضمیمۂ تشریحات میں شعر ۵۱۸ کے تحت]۔

دو دو کلام کیے (۲۲۴) ، دو دو باتیں کیں، تھوڑی سی گفتگو کی۔

دو دو منہ ہنس لیے (۶۸۴) : کچھ کچھ ہنس لی، تھوڑی سی ہنسی کی باتیں کرلیں۔

دُور پار (۱۰۶۰) ؛ خدا نہ کرے، نعوذُ باللہ، توبہ توبہ۔ [عورتوں کی زبان میں کلمۂ نفرت]۔

دور پہنچے گی (۱۳۶۱) ؛ بہت شہرت ہوگی، سب کو معلوم ہوجائے گا۔

دُور جانتی ہیں (۸۵) ، دیکھیے، اپنے کو بہت دور جانتی ہیں۔

دُوش (۱۰) ، کندھا، مُونڈھا۔

دُوَن (۱۲۴۰) ، ڈینگ، شیخی۔

دُوَن پر دماغ ہے (۱۲۷) ؛ ڈینگیں مار رہے ہو، شیخی بگھار رہے ہو، بڑھ چڑھ کے بات کر رہے ہو۔

دونوں وقت ملتے ہیں (۲۸۳) ؛ شام ہوتی ہے۔ [عورتوں میں اِس وقت لیٹنا منحوس خیال کیا جاتا ہے]. جھٹپٹے کا وقت ہے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

دِھرانا (۴۳۷) : ڈرانا، دھمکانا، خوف زدہ کرنا۔
دُھرّے اُڑانا (۹۱۱) : ذلیل و خوار کرنا، رُسوا کرنا۔
دُہَن (۲۷۰) : مُنہ۔
دَھونسا (۳۳۵) : بڑا نقارہ۔ [نوبت کا دھونسا، نوبت کے ساتھ جو بڑا نقارہ ہوتا ہے۔ "نوبت" کے لیے دیکھیے ضمیمۂ تشریحات شعر ۳۳۵۔
دھین دَھوکڑی (۱۵۷) : زبردستی۔
دیدوں، گھٹنوں کے آگے آئے (۸۲۷) : عورتوں کی زبان میں کوسنا، بددعا! مراد ہے : اندھا، لنگڑا ہوجائے۔
دیدہ دَلیل (۳۶۳، ۹۲۴، ۹۴۲) : بے جھجک، نڈر، بے باک۔
دیدے کی صفائی (۸۲۹) : بے غیرتی، بے حیائی، بے باکی۔
ڈُوب بر ڈُوب تھے (۵۰۴) : لگاتار پسینا آرہا تھا۔
ڈورے ڈالنا (۴۹۷) : فریب کا جال بچھانا، مکروفریب سے کام لینا، کسی کو محبت کے جال میں پھنسانا۔
ڈِھٹائی (۱۴۸، ۱۰۶۳) : بے شرمی، بے حیائی۔
ڈھولنا (۹۹۸) : گول اور لمبا سونے چاندی کا زیور، جس کی صورت ڈھول سے مشابہ ہوتی ہے۔ عورتیں ریشم کے تاروں سے گندھوا کر گلے میں پہنتی ہیں۔ چھوٹی تقطیع کا قرآن بھی ڈھولنے میں رکھتے ہیں۔ [ہر گھڑی ڈھولنا ہاتھوں پر ہے، ہر وقت قرآن شریف کی قسم کھاتا ہے]۔
ذاتِ شریف (۲۰۱) : چالاک، مُفسد، بڑا اُستاد۔
ذوالفقار (۸) : دیکھیے ضمیمۂ تشریحات، شعر ۸۔
راج کریں (۹۹۵) : برباد ہوں، تباہ ہوں۔ [ایسی باتیں راج کریں، ایسی باتوں کو آگ لگے، بھاڑ میں جائیں ایسی باتیں]۔
رادھا (۴۰۲) : کرشن جی کی ایک گوپی، جس سے اُنھیں بہت محبت تھی۔
رال ٹپکی پڑنا (۹۰۱) : شوق کے مارے بے تاب ہونا۔
راہ مارنا (۱۵۸) : راستے میں لوٹ لینا، راستے سے بھٹکا دینا۔
رائی لُون (۱۴۳۵) : بُری نظر کو دفع کرنے کے لیے عورتیں رائی اور لُون چولھے میں ڈالتی ہیں۔ یہاں طنزاً یہ کہا جاتا ہے کہ تم ضرورت سے زیادہ سمجھ دار ہو، کہیں نظر نہ لگ جائے، اِس سمجھ پر سے [یعنی اپنے اوپر سے] رائی لُون اُتار کر چولھے میں ڈال دو۔ [رائی، سرسوں

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

سے چھوٹا اور خشخاش سے بڑا ایک [تمہن کا] بیج۔ جس ترمولی وغیرہ کے اچار میں ڈالا جاتا ہے۔ نُون، نمک]۔

رُخسارِ آتشیں (۶۳۳)، آگ جیسے سرخ گال۔ عموماً محبوب کے رخساروں کے لیے آتا ہے۔ [گلِ رخسارِ آتشیں، پھول جیسے سرخ گال]۔

رُستگاری (۱۴۹۸)، نجات، رہائی۔ [موت سے کس کو رستگاری ہے، موت سے کوئی نہیں بچ سکتا]۔

رشکِ چشمِ غزالِ چیں (۱۲۹۱)، دیکھیے، غزالِ چیں۔

رشکِ حور (۸۵)، حور سے بڑھ کر۔

رشکِ گُہر (۴۶۹): موتی سے زیادہ چمک دار۔

رَعشہ (۳۱۲): تھرتھراہٹ، دہشت سے کپکپی۔ [رعشہ اعضا میں آگیا تھا، دہشت سے ہاتھ پانو کانپنے لگے تھے]۔

رَمّال (۵۱۷): علمِ رَمل جاننے والا، نجومی، جوتشی۔ [علمِ رمل، غیب کے حالات یا آیندہ کے حالات معلوم کرنے کا ایک علم]۔

رَنجُور (۱۵۹۵): بیمار، افسردہ۔ [تم ابھی سے گھبرا گئے، تھک گئے اور منزل تو ابھی دور]۔

رنڈی (۱۵۱، ۴۰۷، ۷۰۱)، عورت۔

رنڈیاں (۲۴۶)، عورتیں۔

رنڈی بازی (۳۷۵، ۹۹۴، ۱۱۰۰): زناکاری، عیاشی۔

رنگ چہرے سے کافور ہوگیا (۴۹۶): چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

رُوح قالب سے پرواز کرگئی (۱۳۳۳): جان ہی نکل گئی۔ مراد یہ ہے کہ ایسا صدمہ ہوا اور اس قدر حیرت ہوئی جیسے بدن سے روح نکل گئی ہو۔

رُوداد (۱۰۴)، احوال، کیفیت۔

رُوزِ مَصاف (۵)، لڑائی کے دن، جنگ میں۔

زار و نزار رونا، دیکھیے ضمیمہ تشریحات شعر ۱۸۰۲ کے تحت۔

زَباں آوَر (۱۶۴)، خوش بیان، فصیح، بہت عمدہ گفتگو کرنے والا۔

زَباں آوَری (۲۰۰): منہ زوری، تیز زبانی۔

زَبان تَڑاق پَڑاق چلنا (۷۹۱): جلد جلد بولنا، تیزی اور طرّاری سے کچھ کہے جانا۔

زَبُوں (۱۳۵۲): بُری حالت۔

زَبُوں (۱۵۳۲)، بُرا، خراب، تباہ۔

زَبُوں (۱۷۰۶): بُرا۔ [مطلب یہ ہے کہ اس قدر سوچنا اور فکر کرنا اچھی بات نہیں]۔

زَخمِ جگر کا انگور ہے (۶۲۶): دل کے زخم کو بھرنے والا۔ مراد یہ ہے کہ عشق

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

کہیں دل کو تسکین بھی دیتا ہے، زخم پر مرہم بھی رکھتا ہے۔ [انگور: زخم کا بھراو یعنی اچھا ہو کر بھر جانا]۔

زِنہار رنج نہ ہوتا (۳۵۳): کبھی رنج نہ ہوتا، بالکل غم نہ ہوتا۔

زِنہار نہ آتیں (۲۴۵)، کبھی نہیں آتیں، ہرگز نہیں آتیں۔

زُور (۱۲۳۸): مکر، دغا، فریب۔

زَہر کھائے مجھی پہ بیٹھے تھے (۷۵۰): مجھی پر مرنے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔

زَہر مار کرنا (۷۵۵): کوئی ناپسندیدہ چیز کھانا، زبردستی حلق سے نیچے اُتارنا۔

زِیاد (۶۰، ۲۴۱): زیادہ۔

زیرِ خاک مقیم ہوئے (۱۲۸۴)، قبر میں جا کے سوئے، مطلب یہ ہے کہ اِس دُنیا سے چلے گئے۔

سات پیڑھی کو پُن کے رکھ دینا (۹۱۲): پورے خاندان کو بُرا کہنا، گالیاں دینا، سات پُشتوں کو کھنگول ڈالنا۔

سادہ مزاج ہے (۱۲۴۳): مراد یہ ہے کہ بہت بھولے ہو، نرے احمق ہو۔

ساقط ہے (۷۱۳): مراد یہ ہے کہ نبض کی حرکت بند ہو چکی ہے، دم نکلنے ہی والا ہے۔

ساقط (۶۱۴): ناکارہ، بے کار۔ [مثلِ نبضِ علیل ساقط ہے: بیمار کی نبض کی طرح ہے جس کی حرکت اِس قدر کم ہو جاتی ہے کہ معلوم نہیں ہوتی]۔

سام (۱۴۸۶): رستم کے دادا کا نام۔

ساں (۱۱۴۰): طرح۔ [شمع ساں، شمع کی طرح]۔

سانگ باقی بہت ہیں شب کم ہے (۱۶۱۷): رات تھوڑی ہے اور سانگ بہت ہے۔ یہ ایسے موقعے پر کہتے ہیں جب کام زیادہ ہو اور وقت کم ہو۔

سایہ (۵۱۹): بھوت پریت، جن وغیرہ کا اثر۔

سایہ اُتارنا: آسیب کو بھگانا، بھوت پریت اُتارنا۔

سایے کا اُتارا مشکل ہے: اِس آسیب سے نجات پانا مشکل ہے۔

سَبُو (۴۶۰): گھڑا، مٹکا، بِھلیا۔

سِپہر (۴۲۹): آسمان۔

سِپہرِ جاہ و حَشَم: شان و شوکت کا آسمان، یعنی بہت شان و شوکت والے۔

سُت گیا (۱۳۵۷): منہ اُتر گیا۔ [سُت جانا: ڈھیلا ہو جانا]۔

سِحر: جادو۔

سخت جانی (۱۸۱۹): خراب سے خراب حالات میں زندہ رہنے کی طاقت، قوتِ برداشت۔ مصیبت کی برداشت۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

سَراسیمہ (۶۷۵)، حیران پریشان، گھبرایا ہوا۔

سرائے فانی (۱۳۷۷)، دُنیا۔

سَرتا سَر (۱۳)، بالکل، تمام، پوری طرح۔

سَرزُوری (۱۱۰۲)، دیکھیے، ایک تو چوری، اُس پہ سرزُوری۔

سرسے سَراُتارنا (۱۵۸۴)، بلائیں لینا۔

سرکھاتا، دیکھیے، اپنا سر کھانا۔

سَرنامہ (۱۳۸۳)، جس کو خط لکھا جائے اُس کا نام اور پتا، جو خط کے شروع میں یا لفافے پر لکھتے ہیں۔

سَروپا کی خبر نہیں (۱۷۲۹): سر پیر کی خبر نہیں، یعنی بالکل بد حواس ہیں، بالکل ہوش نہیں۔

سَرورِ خسروانِ عالَم (۳۳۳): دُنیا کے بادشاہوں کا سردار، سب سے بڑا بادشاہ۔

سَم (۱۵۰۰، ۱۶۲۳)، زہر۔

سِن (۲۳، ۱۶۳۵)، عُمر۔

سِن رسیدہ (۱۷۳۷)، زیادہ عُمر والی، بوڑھی۔

سُنبُل (۱۰۸)، بالچھڑ، ایک خوش بودار سیاہی مائل گھاس، جس میں پھول یا پھل نہیں ہوتا۔ یہ گندھی ہوئی چوٹی کی طرح ہوتی ہے۔ دواؤں میں مستعمل ہے۔ شاعر اُسے معشوق کی زلف و گیسو سے تشبیہ دیتے ہیں۔

سِن وسال (۱۲۹۰)، عُمر۔

سِوا (۲۱۲، ۳۷۹، ۱۲۲۱)، زیادہ۔

سَودا ہے (۸۶۰، ۸۷۶)، پاگل ہوئے ہو۔

سُورۂ حمد (۵۲۶): غالباً سورۂ فاتحہ مراد ہے۔ [قرآنِ پاک کی پہلی سورت، جو "الحمد" سے شروع ہوتی ہے]۔

سَوگند (۱۳۷۳)، قسم۔ [راتوں کا سونا سوگند ہوگیا، راتوں کی نیند غائب ہوگئی، گویا نیند نے نہ آنے کی قسم کھائی تھی]۔

سَوں (۸۱۸، ۹۸۰)، قسم۔

سہارا (۳۱۷)، سہار، برداشت۔

سیرباز (۱۳۶)، گھومنے پھرنے کا شوقین، تماش بین، رنگین مزاج۔

سیماب (۵۰۳، ۱۲۵۷)، پارہ۔

سینک کر بجانا (۳۲۷)، تامّل کرنا، کام میں جلدی نہ کرنا، سوچ سمجھ کر اطمینان سے کسی کام کو کرنا۔

شانہ (۳۷۹)، کاندھا۔

شاہ عبّاس کا علم ٹوٹے (۴۷۹): بددُعا: حضرت عبّاس کے علم کی مار پڑے، تباہ ہو، برباد ہو۔ [کربلا کے میدان میں حضرت حسینؓ کے ساتھیوں میں تھے اور فوج کا علم [جھنڈا] آپ ہی کے پاس

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:58
rekhta.org/ebooks/masnaw

تھا۔ آپ حضرت علیؓ کے بیٹے (حضرت حسینؓ کے مختلف البطن بھائی) تھے]۔

شایاں : لائق۔

شَبَبُو (۱۱۵) : ایک سفید پھول (اور اُس کا درخت) جو رات کو خوش بو دیتا ہے۔

شتاب : جلد۔

شَرَف (۳) : بزرگی، بلندی، فوقیت۔

شَشْدَر (۶۷۵) : حیران۔

شش و پَنج (۱۱۲۵) : فکر، اندیشہ، گھبراہٹ، پریشانی۔

شِعار (۳۴۸) : طور طریقہ، عادت۔

شعلہ رُو (۳۳۶) : حسین شخص، معشوق۔ [لفظی معنی : شعلے کی طرح سرخ چہرے والا]۔

شگوفہ : کلی۔ **شگوفہ و گُل** : پھول اور کلیاں۔

شہرِ شِملہ (۱۰۸۰) : اندھیر نگری، وہ جگہ جہاں انصاف نہ ہو، اندھیر ہو۔

شُہکارا (۷۰۵) : بدزبان، بدکار، بے حیا، آوارہ عورت۔

شیریں (۱۳۹۵) : فرہاد کی محبوبہ کا نام، جو ایرانی بادشاہ خسرو پرویز کی بیوی تھی۔

صاحبانِ محل (۱۶۸۹) : گھر کی عورتیں، خواتین۔

صاف (۱۳۹) : بے لاگ، بے جھجک، ہچکچاہٹ کے بغیر۔ کتنے صاف ہیں آپ : کس قدر بے باکی سے باتیں کرتے ہیں، کس قدر بے خوف ہیں۔

صُبح کی وَردی (۱۶۵۸) : صبح کے وقت بجائی جانے والی نوبت۔ دیکھیے ضمیمہ تشریحات شعر ۲۳۵ کے تحت۔

صُحبت (۲۸، ۳۷، ۴۶، ۴۷، ۴۹، ۵۵، ۹۴۹) : جلسہ، جہاں گانا بجانا ہو، عیش و تفریح کی گفتگو ہو، محفلِ احباب۔

صحبت برآر نہ ہوگی (۲۹۸) : نباہ نہ ہوگا۔ ہمارا آپ کا ساتھ ہو نہیں سکے گا۔

صحبت کے بہت آراستہ ہو (۹۴۹) : بہت شوق ہے عیاشی کا، بہت ارمان ہے تفریح کا۔

صَحنَک (۱۰۱۸) : حضرت فاطمہؓ کی نیاز اور اُس نیاز کا کھانا، جس میں صرف پاک دامن عورتیں شریک ہو سکتی ہیں۔ صحنک سے اُٹھ جاؤں گی : صحنک میں شامل ہونے کے قابل نہیں رہوں گی۔

صدقے پہلے اُترنا (۵۱۱) : نقد رقم یا کوئی چیز سر پر سے اُتار کر خیرات کے لیے دینا۔

صدقے، قربان اُتارنا (۱۱۸۴) : اپنے اوپر سے صدقہ کر کے پھینک دیں گی۔ مطلب یہ ہے کہ اُن کے نزدیک تمھاری حیثیت ہی کیا ہے، وہ کیوں تم کو بلانے لگیں۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:58
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

صدمۂ جاں کاہ (۱۶۸۳) : جان کو گھلا ڈالنے والا صدمہ۔ مراد ہے بہت بڑا حادثہ، بہت بڑا غم۔

صِفاتِ خُدا : خُدا کی تعریفیں۔ دیکھیے ضمیمۂ تشریحات، شعر ۴۱۹۔

صَفائی (۱۳۸) : بے حیائی، بے شرمی، ڈھٹائی۔ [اے لو خوبی تری صفائی کی، کیا کہنا ہے تیری دیدہ دلیری کا، کیا بات ہے تیری بے غیرتی اور ڈھٹائی کی]۔

صَنوبَر (۱۲۷۱) : چیڑ کی قسم کا ایک درخت، جس میں چلغوزے لگتے ہیں۔ بہت سیدھا ہوتا ہے۔

ضَرب (۷) : مار، چوٹ۔ ضربِ حیدر : حضرت علیؓ کی تلوار کا وار، تلوار کی کاٹ۔

ضَربُ المَثَل (۱۷۲) : کہاوت۔ ضربُ المثل ہے : مشہور ہے۔

ضَرَر : نقصان۔

ضِلَع (۷۹۱) : دیکھیے، جگت۔

طاقت طاق ہو جانا (۱۴۰۰) : ذرا بھی طاقت نہ رہنا۔

طائرِ بسمل (۱۳۷۸) : زخمی پرندہ۔

طائرانِ تیز زباں (۱۱۸) : خوب چہکنے والے پرندے۔

طُرفہ (۲۸) : عجیب، انوکھا، نیا۔ طُرفہ صحبت تھی : عجیب مجمعِ احباب تھا، بے مثال محفل تھی۔

طُرّہ یہ ہے (۷۵۵) : غضب یہ ہے، سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ۔

طریق (۶۱) : دستور، طور طریقے۔

طَوق : ایک قسم کا زیور جو عورتیں گلے میں پہنتی ہیں، گلوبند۔

طَوقِ مَنّت کے (۴۷۴) : منت کا گنڈا یا چاندی کا حلقہ یا ہنسلی جو بچوں کے گلے میں ڈالتے ہیں۔

عارِض : رُخسار، گال۔

عاری (۱۱۱۰) : مجبور، لاچار۔

عاری (۱۱۸۸) : تنگ، عاجز۔ [کمال عاری ہو : بہت پریشان ہو، تنگ آجائے]۔

عاشقِ تن (۱۴) : عاشق مزاج۔

عَبَث (۱۵۶۲) : بے کار، بے فائدہ۔

عِتاب : غُصّہ۔

عدو : دُشمن۔

عَرَق (۴۷۵، ۸۰۰، ۱۶۵۶) : پسینا۔

عفو کردو (۱۹۷) : معاف کردو۔

عُقبیٰ (۱۶۰۶) : آخرت، دوسری دُنیا [جہاں مرنے کے بعد جانا ہوگا]۔

عَلَم لوٹنے : دیکھیے، شاہ عباس کا علم۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:58
rekhta.org/ebooks/masnaw

عُودسُوز (۱۷۳۶) ، اگردان، وہ چھوٹی سی انگیٹھی جس میں عود جلایا جائے۔ عود، ایک قسم کی سیاہ لکڑی جو آگ میں جل کر نہایت عمدہ خوشبو دیتی ہے۔ اسے "اگر" بھی کہتے ہیں۔ [اِسی سے اگربتی اور "اگرئی" (اگر کے رنگ کا) بنے ہیں]۔

عَینِ حیات ہے (۱۳۹۹) ؛ درحقیقت زندگی ہے، اصل زندگی ہے۔

غُبار (۱۶۳۶) ؛ ملال، رنج۔

غریب (۱۲۸۲) ؛ نادر، عجیب، انوکھا۔

غَرِیق (۶۱) ، ڈوبا ہوا۔ [بحرِ الفت کے غریق، محبت کے سمندر میں ڈوبے ہوئے، یعنی عشق کرنے والے]۔

غَزال (۶۱۷) ؛ ہرن۔

غَزالِ چین (۱۲۹۱) ؛ علاقۂ چین [تاتار، ختن] کا ہرن، جس کے پیٹ میں مُشک کا نافہ ہوتا ہے۔

غم خُوری (۱۱۰۲) ؛ برداشت، تحمل۔

غَیرتِ حور (۳۶۷، ۳۷) ، حور سے بڑھ کر، بہت خوب صورت۔

غیر کے شگون کو ناک کٹاؤں (۳۶۷): دوسرے کی خواہش پوری کرنے کے لیے اپنی ناک کٹاؤں۔ دوسرے کے فائدے کے لیے اپنا نقصان کروں، اپنی رسوائی اور بدنامی کا سامان کروں۔

فَراغبالی (۱۲۸۶) ؛ بے فکری سے زندگی بسر کرنا۔

فَرطِ شادی (۷۸۲) ، خوشی کی زیادتی سے، خوشی اِتنی بڑھ گئی کہ۔

فَرطِ غم سے (۱۶۵۴، ۱۳۲۴) ، غم کی زیادتی سے۔ [فرط، کثرت، زیادتی]۔

فَرق (۱۳۸۷) ، سر۔

فَروکش ہیں (۱۲۸۶) ، رہتے ہیں۔

فزوں ؛ زیادہ۔

فَصد کُھلوانا (۸۲۰) ؛ رگ سے خون نکلوانا۔ [جنون اور سودے کے علاج میں طبیب فصد کھلوانا بھی تجویز کرتے ہیں۔ جب کوئی شخص بے وقوفی کی باتیں کرتا ہے، تو اُس سے کہتے ہیں کہ فصد کُھلواؤ، یعنی اپنے جنون کا علاج کرو]۔

فَصد لینا (۳۴۱) ؛ فصد کُھلوانا۔ دیکھیے؛ فصد کُھلوانا۔

فطرت بنانا (۲۴۳) ؛ مکر کرنا، چالاکی دکھانا، فریب کرنا۔

فطرتیں بناتی ہوئی (۱۱۵۳) ؛ بہانے بناتی ہوئی، بہانے سوچتی ہوئی۔

فَغفُور (۱۳۹۱) ، چین کے بادشاہوں کا لقب۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:59
rekhta.org/ebooks/masnaw

فقرہ : فریب کی بات۔

فقروں میں لپیٹنا (۱۷۳) : اپنی باتوں سے فریب دینا، باتوں میں پھانسنا، دھوکا دینا۔

فقرہ دینا (۹۳۴) : دھوکا دینا، جھانسا دینا۔

فقرے بازی (۱۵۳) : چالاکی، عیاری۔

فقرے بازیاں (۲۳۴) : فقرے بازی کی جمع۔

فقرے پہ نہ آئیں گی (۸۷) : میری بات سے دھوکا نہیں کھائیں گی، میری باتوں میں نہیں آئیں گی۔

فقرے پر نہ آئے کبھی (۲۱۷) : مرد کی بات سے کبھی دھوکا نہ کھائے، اُس کی باتوں میں کبھی نہ آئے۔

فلک سیر (۸۹۰) : تجھنگ۔

فنس : دیکھیے "پنس"

فی الفور (۲۵۸) : فوراً۔

فیل (۱۴۸) : مکر، فریب۔

فیل باز (۱۷۹، ۳۴۴) : مکار، عیار، دھوکے باز۔

فیل بازی (۱۸۰) : مکاری، چھل فریب۔

فیلسوف (۲۳۷، ۳۱۱، ۸۳۶) : طرار، چالباز، عیار، مکار۔ [ساری دنیا کا فیلسوف ہے، سب سے بڑا مکار ہے]۔

فیل سے (۱۵۸) : دھوکے سے۔

فیل کرنا (۱۵۲) : دھوکا دینا، چالاکی دکھانا۔

فیل لائے (۱۳۴۲) : خوب مزے میں آئے، اور پاؤں پھیلائے۔

فیل لائے گی (۲۳۹) : فساد کھڑا کرے گی، جھگڑے اُٹھائے گی، بکھیڑا مچائے گی۔

فیل ہے (۳۹۵) : فریب ہے۔

فیلیا (۸۳۳) : فریبی، مکار۔

فیلیاپن (۹۸۹) : مکاری، عیاری۔

فی مابین (۱۳۱۰) : آپس میں، دونوں کے درمیان۔

قباحت : بُرائی۔

قبضہ (۹۷۸) : دیکھیے ضمیمہ تشریحات شعر ۹۷۸۔

قدیم (۱۲۶۳) : جو ہمیشہ سے ہو، ازلی، جس کی ابتدا نہ ہو۔ [یہ خدا کی صفت ہے]۔

قرآن کی سوں (۸۱۸، ۹۸۰، ۱۰۷۸) : قرآن کی قسم

قریب (۱۶۸۱) قریبی رشتے دار، عزیز۔

قرینوں سے (۱۱۸) : سلیقے سے، ترتیب سے۔

قرینوں سے (۱۲۷۵) : طریقوں سے، انداز سے۔ [جو قرینوں سے واقف تھے، یعنی جو حسین عشق کے سارے طریقوں سے، اُس کے انداز سے واقف تھے]۔

قرینہ (۷۱) : انداز، طور طریقہ، طرزِ عمل۔

قطع ہو گئے (۱۳۵۱) : کٹ گئے، یعنی پیام و سلام کا آنا بند ہو گیا، سب سلسلے ٹوٹ گئے۔

قفس (۱۱۸) : پنجرا۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

قول ہارنا (۱۳۲۵)، عہد کرنا، وعدہ کرنا۔
قیدِ فرنگ (۱۳۲۳): ایسی قید جس سے چھوٹنا مشکل ہو۔
قیصر (۱۳۹۱): روم کے بادشاہوں کا لقب۔
کاٹ بھانس (۹۴۰)، جوڑ توڑ، عیاری، چالاکی۔
کاری (۱۳۱۱)، گہرا، کام تمام کر دینے والا، مُہلک۔
کاسۂ سر (۱۳۹۲)، سر کا پیالہ یعنی کھوپڑی۔
کالادانہ (۱۳۳۵)، اِسپند، جسے عورتیں بُری نظر دور کرنے کے لیے سر سے اُتارتی ہیں یا اُسے آگ میں جلاتی ہیں۔
کان پر جوں نہیں پھرتی (۹۶۰)، ذرا بھی اثر نہیں ہوتا۔
کان کاٹنا (۹۵۶): بُرائی میں سب سے آگے بڑھ جانا۔ [بے غیرتوں کے کان کاٹے، بے شرمی اور بے حیائی میں سارے بے غیرتوں سے بڑھ گیا]۔
کان کاٹنا (۱۳۶۵)، کسی کام میں سب سے آگے بڑھ جانا۔ [لیلیٰ مجنوں کے کان کاٹے، عاشقی میں اُن سے بھی بڑھ گیا۔ یہ محاورہ عام طور پر بُرا کہنے، طنز کرنے یا تنبیہ کرنے کے موقع پر استعمال میں آتا ہے]۔
کبریا (۴)، خُدا۔
کتاں (۱۳۳۷)، ایک طرح کا باریک کپڑا، جس کے متعلق شاعروں کا خیال یہ ہے کہ چاند کے سامنے آنے سے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ ایک روایت ہے کہ یہ کپڑا السی کے درخت کی چھال سے سَن کے کپڑے کی طرح تیار کیا جاتا ہے (آصفیہ)۔ [یہ سب شاعرانہ روایتیں ہیں]۔
کٹوری (۶۸۰)، اِس کی جمع، کٹوریاں؛ انگیا کا وہ حصہ جس میں چھاتیاں رہتی ہیں۔
کج اَدائی (۴۸۹)، بے وفائی، بے مروتی۔
کچکچی باندھ کر (۱۰۴۶)، زور سے دانت بھینچ کر، تکلیف یا غصے میں زور سے دانت پیس کر۔
کچی گولیاں کھیلنا (۹۴۲)، نادان ہونا، ناتجربے کار ہونا۔ [مطلب یہ ہے کہ میں نادان نہیں]۔
کچیں (۴۷۷)، "کچ" کی جمع۔ کچ، عورت کی چھاتی، چھاتی کی گھنڈی، جسے "بھٹنی" کہتے ہیں۔
کد (۱۴۳۹): اِصرار، ہَٹ، ضِد۔
کد نہ کریں (۷۶۵)، ضِد نہ کریں۔
کدھی (۸۳۵)، کبھی۔
کربلا (۳۳، ۶۲، ۸۹، ۱۳۶)، دیکھیے ضمیمہ تشریحات شعر ۳۳ کے تحت۔
کُرتی (۴۷۱، ۸۴۳)، ایک قسم کا بغیر آستینوں کا

404
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:59
rekhta.org/ebooks/masnaw

اونچا کُرتا، جسے عورتیں انگیا کے اوپر پہنتی ہیں۔

کَسبی (۷۲۹، ۱۴۴۱)، طوائف، بازاری عورت۔

کشکول (۶۲۹)؛ بھیک کا پیالہ جو فقیروں کے پاس ہوتا ہے۔

کفنِ کربلا (۵۵۵)، کربلا سے لایا ہوا کفن۔

کَلَپنا (۱۷۰)، کُوسنا، بددُعا دینا۔

کُلُّ مَنْ عَلَیہا فان (۱۳۹۷)، ہر شخص [اور ہر چیز] کو فنا ہے، سب کو مرنا ہے۔

کمال (۵۹۲، ۷۸۲، ۱۱۸۸، ۱۲۷۹، ۱۳۱۲)؛ بہت۔

کمال خوش ہوئی (۲۱۸): بہت خوش ہوئی [بطورِ طنز]۔

کمال ذی عزت (۱۲۸۵)؛ بہت عزت دار۔

کمال عقل سے دور (۱۳۳۱): عقل سے بہت دور [یعنی بے وقوفی کی بات]۔

کَنَونڈا (۲۳۶)، عیب دار۔

کنونڈا کرنا، عیب دار بنانا، داغ لگانا۔

کُنویں جَھنکانا (۲۳۹): حیران کرنا، تھکا مارنا، اِدھر اُدھر دوڑانا۔

کُنہ (۳۱۹)، حقیقت، ماہیت، بات کی تہ۔

کوکھ اُجڑ جانا (۱۷۷۳): اولاد کا زندہ نہ رہنا۔

کُوہ کَن (۱۳۹۵)؛ فرہاد، جو شیریں کا عاشق تھا۔

کُوہ کَنی (۶۳۸)؛ پہاڑ کھودنا۔ [فرہاد نے پہاڑ کھود کر شیریں کے لیے نہر نکالی تھی]۔

کہاری؛ دیکھیے؛ پنس۔

کَھر کھُوج کھونا (۷۵۷)؛ کسی چیز کو تباہ و برباد کر دینا [مراد یہ ہے کہ میری عزت و آبرو تباہ کر دی، مجھے بدنام کر دیا]۔

کِھلائی (۱۷۳۸)؛ بچوں کو کھلانے والی عورت، بچوں کی دیکھ بھال کرنے والی عورت۔

کُھل کھیلنا (۸۹۷): شرم و حجاب اُٹھا کر کوئی کام کرنا۔ جس کام کو پہلے چھپا کر کرتے تھے، اُس کو کُھلّم کُھلا کرنے لگنا۔

گات (۳۶۶)؛ عورت کی دونوں چھاتیاں۔

گَت (۳۳۵)، حالت، طرح۔ [اِس گت کا: ایسا]۔

گُربۂ مسکین (۱۰۶۲): دیکھنے میں سیدھا سادا اور حقیقت میں مکار، فریبی۔ [گُربہ: بلی]۔

گَرد کیا ہے (۱۰۹۰)؛ ہرا دیا ہے، مات دے دی ہے [مطلب یہ ہے کہ تو اُن سے بھی بڑھ گیا ہے]۔

گرمیاں کرنا (۲۲۶، ۷۲۸، ۱۳۴۲)؛ بہت محبت جتانا، بہت تپاک ظاہر کرنا۔ [خوب گرمی کی (۷۲۸)، اچھی محبت جتائی]۔

گِریاں؛ روتا ہوا۔

گریبانِ صُبح چاک ہوا (۱۱۷۴)؛ صبح ہوئی۔

گڑھیا (۹۴۳)؛ وہ گڑھا جس میں برسات کا پانی جمع ہو۔ منہ گڑھیا میں دھو رکھو؛

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

8:59
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

یہ جملہ اُس جگہ کہتے ہیں جہاں کسی چیز کے دینے سے انکار کرنا مقصود ہو۔

گُل رُو : پھول سے چہرے والا مراد ہوتا ہے خوب صورت شخص، محبوب۔

گلشنِ ایجاد (۱۲۶۸) : دُنیا۔

گُل فام (۱۳۱۹) : محبوب۔ [گُل : گلاب کا پھول۔ فام : رنگ۔ گُل فام : جس کے چہرے کا رنگ گلاب کے پھول جیسا ہو]۔

گلے کا ہار ہو جانا (۱۹۱) : پیچھے پڑ جانا، پیچھا نہ چھوڑنا۔

گُورکَن (۵۵۶) : دفن کے لیے قبر کھودنے والا۔

گہ : کبھی ["گاہ" کا مخفف]۔

گھڑیال (۱۲۰۹، ۱۲۵۳) : پیتل کا گھنٹا جو وقت بتانے کے لیے بجایا جاتا تھا۔ اِس سلسلے میں دیکھیے ضمیمۂ تشریحات میں شعر ۳۳۵ کے تحت "نوبت" کے ذیل میں "گجر" کی تفصیل۔ اِس شعر میں وہی "گجر" مراد ہے۔

گھونٹ گھونٹ کے جان دینا (۱۵۲۷) : رنج و غم کرتے کرتے جان دینا، گُھٹ گُھٹ کے جان دینا۔

لالہ عِذار (۷۱۳) : سرخ چہرے والا معشوق۔ [جس کے گال لالے کے پھول کی طرح سُرخ ہوں]۔

لَہنا (۱۰۷۳) : حصّہ، نفع، حاصل۔

لیکھا (۳۴۳) : حالت، کیفیت، عادت، طریقہ۔

مالتی (۱۰۹) : چمیلی کی ایک قسم۔

مال زادی (۳۴۲) : بدکار عورت، چھنال، رنڈی۔

ماعرفناک حقّ معرفتک (۴۲۰) : ہم تیرے پہچاننے کا حق نہیں ادا کر سکے۔ تجھے جس طرح پہچاننا چاہیے تھا، اُس طرح نہیں پہچان سکے۔

ماما : خادمہ۔ وہ عورت جو خدمت کرنے کے لیے ملازم ہو۔

مانامَت (۱۱۰۶، ۱۱۱۴) : شور غُل۔

ماہ جبیں (۱۲۸۷) : [لفظی معنی : چاند جیسی پیشانی والا] محبوب کے لیے بطورِ صفت آتا ہے، مراد ہوتی ہے : بہت خوب صورت، چاند جیسا چہرہ۔

ماہ لِقا (۴۶۲) : چاند جیسی صورت، یعنی بہت خوب صورت محبوب۔

ماہِر (۷۱) : واقِف، جاننے والی۔

ماہِ مُنیر (۱۳۱۳) : چمکنے والا چاند، مراد ہے حسین معشوق۔

ماہیِ بے آب (۱۷۲۶) : بہت بے تاب۔ [پانی کے بغیر مچھلی جس طرح تڑپتی ہے، اُس طرح مضطرب]۔

مُتَفَنّی (۳۹۲) : مکّار، فریبی، عیّار۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw

مِٹّی کا عطر (۱۴۸۹) : ایک مشہور عطر کا نام جس کا جُزوِ اعظم مُلتانی یا پنڈول مٹّی ہے [آصفیہ]۔

مُچّھیاں لینا (۴۷۰) : بُوسے لینا۔

مجبور (۱۷۹۵) : مجبوراً۔

محزوُں : غم گین۔

مِحَن (۱۶۳۶) : غم۔

مَحْو (۴۴۸) : کسی خیال میں ڈوبا ہوا۔ [اِس قدر محوِ روے قاتل تھا : اُس محبوب کو دیکھنے میں اِس قدر کھو گیا تھا]۔

مَدّاح (۳۲۱) : تعریف کرنے والا۔

مُدّعی (۲۸۶) : دشمن۔ [ایسا کام میرے دشمن کریں۔ مطلب یہ ہے کہ میں نہیں کروں گی]۔

مذاق (۴۵) : دل چسپی، سلیقہ، رغبت۔

مُرشد (۵۹) : گرو، پیر، اُستاد۔

مُرشدی (۳۷۰) : اُستادی، پیری۔ یہاں مراد یہ ہے کہ میں تیری چکنی چیڑی باتوں میں نہیں آسکتی۔

مرغِ بسمل (۱۷۸۱) : وہ جانور جسے ذبح کیا جارہا ہو، گھائل، زخمی۔

مَرقَد (۱۵۳۴) : قبر۔

مَرنے جُوگا (۷۴۸) : مٹ جانے، مرجانے کے لائق۔ جس وقت عورتیں آزردہ ہوتی ہیں، اُس وقت کوسنے کے طور پر یہ کلمہ زبان پر لاتی ہیں]۔

مروارید (۱۱۰) : موتی۔

مُردِچرا ہَن (۷۴۶) : ضد، ہٹیلاپن، سینہ زوری۔

مژگاں : پلکیں۔

مُستجمعِ جمیعِ صِفات (۱۲۴۸) : جس میں ساری تعریفیں جمع ہوگئی ہوں، ساری خوبیاں اکٹھا ہوگئی ہوں۔

مِسمار کیا (۱۰۰۱) : تباہ کیا۔ مطلب یہ ہے کہ ضبط کی تاب نہیں رہی، صبر و تحمل ختم ہوگیا۔

مشکل کُشا (۴۸۳) : حضرت علیؓ۔

مَشوَرَت ٹھہرائی (۱۲۲۱) : آپس میں مشورہ کرکے یہ طے کیا۔

مَشِیّت (۱۵۵۲) : خدا کی مرضی۔ [معلوم نہیں اس کے بعد کیا ہوگا، خدا کی مرضی کیا ہے]۔

مَصاف (۵) : لڑائی، جنگ۔

مَطِیر (۱۱۳۹) : برسنے والا۔ [ابرِ مَطیر : برسنے والا بادل]۔

مَظہرُالعجائب (۴۲۴) : عجیب و غریب باتوں کا جائے ظہور۔ یہ حضرت علیؓ کے لیے آتا ہے۔ مراد ہوتی ہے کہ آپ سے عجیب و غریب کمالات ظاہر ہوتے تھے۔ آپ کی ذاتِ پاک عجیب و غریب باتوں کا مظہر تھی۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

8:59
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

مَعاذَاللہ (۳۰۷، ۸۲۶)؛ خدا کی پناہ، توبہ توبہ [تعجب، نفرت یا بُرائی ظاہر کرنے کے لیے]۔

مَعاذَاللہ (۱۷۴۲)؛ خدا کی پناہ [کسی چیز کی زیادتی یا شدت ظاہر کرنے کے لیے، ایسا غم انگیز احوال تھا کہ خدا کی پناہ!]۔

مُقتَضا (۱۵۶۸)؛ تقاضا۔ [مقتضائے غیرتِ عشق، عشق کی غیرت کا یہی تقاضا ہے]۔

مُقتَضائے سن کا (۴۷۱)، عُمر کا تقاضا [یعنی جوانی کا اثر، جوانی کا جوش]۔

مَقسُوم (۱۱۰۹)؛ قسمت۔

مکتوب (۱۳۲۵)؛ خط۔

مکڑی کی طرح جھاڑ ڈالنا (۹۱۰)؛ عیب گنانا، بُرا بھلا کہنا [نور]۔

مَنّت؛ کسی مراد کے لیے کوئی مانی ہوئی بات، نذر نیاز۔

مِنّت، احسان۔ خوشامد، التجا۔

مُنقَلِب (۱۴۹۴)؛ بدلنے والا۔

مُنکَشِف (۱۲۵۹)؛ ظاہر۔

مُنہ بنوانا (۲۳۳، ۳۳۳)؛ کسی کام کی لیاقت پیدا کرنا، کسی کام کے لائق ہونا۔

منہ بنواؤ؛ پہلے اس قابل تو بنو۔

منہ پر ہوائی چھٹنے لگی (۴۸۹)؛ گھبرا گیا، چہرے کا رنگ اُڑ گیا، حواس باختہ ہو گیا۔

مُنہ چومتے ہی گال کاٹا (۹۸۳)؛ شروع ہی میں نقصان پہنچایا۔

مُنہ کا نوالہ (۶۰۳)، وہ کام جو نہایت آسان، بہت سہل ہو۔

مُنہ کی کھانا، سزا پانا، مار کھانا، ہار جانا، شکست کھانا، ہار جانے کی شرمندگی اُٹھانا۔

مُو، بال۔

مُو پریشاں (۷۵۰)؛ بال بکھیرے ہوئے۔

مُوا (۹۵۷)؛ عورتیں جب کسی شخص [یا چیز] سے آزردہ یا بیزار ہوتی ہیں، تو یہ کلمہ کم بخت، بدنصیب کی جگہ استعمال کرتی ہیں۔ [لفظی معنی، مر گیا، مرا ہوا۔ اس کی جمع: موؤں]۔

مُو بہ مُو (۱۱۴۶)؛ بال بال، مراد ہے مکمل طور پر، پوری طرح۔ [مو بہ مو زلفِ یار کا اسیر، پوری طرح عاشق، حسن کے جال میں پوری طرح گرفتار]۔ [مُو، بال]۔

مُوتی چُور (۴۶۷)؛ چمک دار، چمکیلا۔ [یہ لفظ چمکیلی خوش نما آنکھ کے لیے بطورِ صفت آتا ہے]۔

مَورِد (۱۴۷۷)، اُترنے کی جگہ، ٹھہرنے کی جگہ۔ [موردِ مرگ نوجوانی ہے؛ جوانی پر موت آتا ہے]۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

8:59
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

مُونڈی کاٹوں (۱۳۲) ، مونڈی کاٹا کی جمع۔ مونڈی کاٹا۔ عورتیں جب کسی سے بیزاری ظاہر کرتی ہیں، تو یہ کلمہ اُس کے لیے زبان پر لاتی ہیں۔

موئے چلتے اُکھاڑ ڈالوں گی (۹۱۰) : زندہ اور مرے ہوئے سارے خاندان والوں کے عیب گنا دوں گی۔

مہتاب ، چاندنی، ایک قسم کی آتش بازی۔ دیکھیے : چہرے پر مہتاب چھوٹنے لگی۔

مہدی (۴۲۶) ، شیعہ حضرات کے عقیدے کے مطابق بارھویں امام۔ دیکھیے ضمیمہ تشریحات شعر ۴۲۵۔

مُہرِ خاموشی لگ گئی (۱۳۲۸) : لبوں پر خاموشی کی مُہر لگ گئی ؛ یعنی چُپ ہو گیا ، منہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔

مہر وَش (۲۲) : حسین، معشوق۔ [مہر : سورج۔ وَش : طرح۔ سورج کی طرح۔ کنایتاً حسین]۔

مَے ، شراب۔

میری بنّو کا یہی لیکھا ہے (۳۴۳) : ان کا تو یہی حساب کتاب ہے، یہی ڈھنگ ہیں [طنز کے طور پر]۔

میری پاپوش بھی نہ آئے گی (۴۴۷) : میں تو کیا، میری جوتی بھی نہ آئے گی ، یعنی میں نہیں آؤں گی۔ [عورتوں کی زبان میں جانے سے انکار کرنے کا انداز ہے اظہارِ حقارت کے ساتھ]۔

میری صورت (۱۶۰۲) : میری طرح۔

میرے ناخونوں میں یہ باتیں ہیں (۲۲۸) : مطلب یہ ہے کہ ایسی سب باتیں مجھے ذرا ذرا معلوم ہیں۔

مَیل (۱۳۸) ، جھکاو ، رغبت ، توجہ۔

مینڈکی بھی چلی مَداروں کو (۴۳۴) ، نکمے آدمی نے بھی بڑا حوصلہ پیدا کیا۔ [مینڈکی بھی شاہ مدار کے عرس میں شامل ہونے کے لیے چلی ہے]۔

مینڈکی کو بھی زُکام ہوا (۹۱۳) ، ادنا شخص بھی اپنے کو بڑے مرتبے والا سمجھنے لگا۔ [اپنی حد سے بڑھ کر شیخی مارنے والے کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے]۔

نادِ علی ، دیکھیے ضمیمہ تشریحات، شعر ۹۔

ناشُدنی (۱۳۶۰) : بدنصیب، کم بدبخت۔

ناقہ : اونٹنی۔

ناقہ سوار (۶۲۸) ، مراد ہے لیلیٰ سے۔

ناگاہ : اچانک۔

نامِ خدا : یہ کلمہ کئی مفاہیم میں آتا ہے، برکت کے لیے اور نظرِ بد کے آسیب سے کسی کے

409
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

محفوظ رہنے کے لیے (۱۳۴۷) یعنی خدا نظرِ بد سے محفوظ رکھے، اب جو تم جوان ہونے۔ تحسین و آفریں کے لیے (۱۶۳۳)۔ ماشاءاللہ کے مفہوم میں؛ یعنی طنز کے طور پر (۲۷۰، ۸۳۴)۔

ناموس (۶۳۳)، عزت و آبرو۔

نانگھنا (۱۱۰۵)، پھاندنا، اُس چیز پر سے گزرنا جو راستے میں ہو۔ [تیری چوکھٹ بھی نہ نانگھوں، تیرے دروازے پر نہ آؤں]۔

نبض ساقط ہے (۱۱۷)، نبض رک گئی ہے۔

نبضِ عَلیل (۶۱۴)، بیمار کی نبض۔

نَٹ کھٹ (۳۹۵)، شریر، شوخ، فتنہ پھیلانے والا۔

نُج (۸۶۹)، "نوج" کا مخفف۔ دیکھیے، نَوج۔ مزید دیکھیے، ضمیمۂ تشریحات شعر ۶۸۹ کے تحت۔

نخرا تِلّا (۹۴۵)، ناز و کرشمہ، چاو چوچلا۔

نَخل (۱۲۸۹)، درخت۔ [نخلِ گلِ جوانی ہرا تھا، جوانی کا پھول جس درخت میں لگا تھا، وہ خوب سرسبز تھا، مطلب یہ ہے کہ کامل کش جوانی تھی]۔

نَدیم (۱۲۶۳)، ساتھی، دوست۔

نستعلیق (۱۲۹۰)، شائستہ، مہذب، عمدہ، بہت خوبی کا۔

نگاہِ وحدت بیں (۱۲۵۰)، وہ نگاہ جو خدا کی ذاتِ واحد کو دیکھ سکے۔ [کثرت میں وحدت دیکھنے والی نگاہ]۔

نگَراں (۱۳۰۷)، دیکھنے والا۔ [ہر سو نگراں ہوئی، چاروں طرف دیکھنے لگی]۔

نَل (۱۴۹۵)، ایک عاشق کا نام، جو دمن پر عاشق ہوا تھا۔

نَمُوہی (۹۰۹)، بے زبان، کم سخن۔

نَوبت، دیکھیے ضمیمۂ تشریحات، شعر ۴۲۵ کے تحت۔

نَوج: یہ "نعوذ باللہ" کی بگڑی ہوئی یا یوں کہیے کہ بدلی ہوئی شکل ہے۔ عورتوں کی گفتگو میں یہ کلمہ مختلف موقعوں پر کئی معنوں میں آتا ہے؛ خدا نہ کرے، نفرت یا غصّے کے عالم میں انکار کے لیے، مطلق انکار کے لیے۔ خدا نہ کرے جو ایسا ہو۔

نَوچَندی، ہر قمری مہینے کی پہلی جمعرات۔ مزید دیکھیے، ضمیمۂ تشریحات، شعر ۲۶۴ کے تحت۔

نورِ کبریا (۴۲۵)، خدا کا نور۔

نوعِ دِگر (۱۱۳۴)، بگڑا ہوا، خراب۔

نوک جُھوک (۸۰۱)، شوخی، شرارت، آن و ادا۔

نِہال (۱۰۷)، درخت۔ [نہالِ چمن، باغ کے درخت]۔

نِہال (۱۱۲)، درخت، خوش و خرم، تازہ، سرسبز۔ [اِس شعر میں یہ لفظ ضلع کی نسبت کے ساتھ آیا ہے؛ درخت۔ نہال]۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

9:00
rekhta.org/ebooks/masnaw
3

نہال ہونا (۳۱۸)؛ طنزاً، ناخوش ہونا، رنجیدہ ہونا۔

نیل ڈھلنا (۵۱۷، ۷۱۳)؛ دیکھیے، آنکھوں سے نیل ڈھلنا۔

واسُوخت (۴۴۶)؛ نظم کی ایک صنف، جس میں معشوق کے جور و ستم اور اپنے رنج و الم کا بیان کر کے، عشق اور معشوق سے بیزاری کا اظہار کیا جاتا ہے اور کبھی کسی اور معشوق سے عشق کرنے کی دھمکی دی جاتی ہے۔

واہی (۸۲۷)؛ بیہودہ، آوارہ۔

وَدُود؛ دیکھیے ضمیمۂ تشریحات، شعر ۱۲۶۱۔

وَردی (۱۶۵۸)؛ دیکھیے، صبح کی وردی۔

وَسواس (۹۹۲، ۱۶۷۹)؛ خوف، وہم، بُرا خیال۔

وَضع (۸۲)؛ انداز، طور طریق، روش۔

وَضع دار (۸۴)؛ طرح دار، خوب صورت، حسین۔

وَضیع و شریف (۱۳۸)؛ کم مرتبہ اور شریف، یعنی ہر طرح کے لوگ، ہر سطح اور ہر مرتبے کے لوگ۔

وقتِ زوال (۱۱۲)؛ وہ وقت جب سورج خطِ نصفُ النہار سے ہٹے، مراد ہے دوپہر کے بعد کا وقت۔

وُقُوف (۲۵۵)؛ علم، شعور۔

ہاتھ پاؤں دُھنا (۱۱۷۲، ۱۳۷۲)؛ ہاتھوں پیروں میں سنسناہٹ ہونا۔

ہاتھ اُٹھانا (۱۵۳۴)؛ چھوڑنا، باز آنا، تعلق نہ رکھنا۔ [فاتحہ سے نہ ہاتھ اُٹھانا؛ فاتحہ پڑھنا نہ چھوڑنا، فاتحہ پڑھنے کے لیے آتے رہنا]۔

ہاتھوں کے تُوتے اُڑ جانا؛ کوئی چیز دیکھ کر، یا سُن کر بے حواس، بیخود ہو جانا، حواس باختہ ہو جانا۔

ہالہ (۱۲۷۰)؛ چاند کا کُنڈل، وہ حلقہ جو زمینی بخارات کے اثر سے چاند کے چاروں طرف بن جاتا ہے، لوگ اُسے بارش کی علامت سمجھتے ہیں۔

ہراس (۱۶۰۰، ۱۶۷۹)؛ خوف، دہشت، مایوسی۔

ہر دیگی چمچہ (۳۳۰)؛ ہرجائی، ہر ایک کے پاس آنے جانے والا۔ [اس شعر میں مراد ہے ایسے عیاش شخص سے جو کسی ایک کا وفادار نہ ہو، مختلف عورتوں سے تعلقات رکھتا ہو]۔

ہَفت اِقلیم (۱۴۸۴)؛ سات ولایتیں۔ [پُرانی تقسیم کے مطابق دنیا کا (خشکی کا حصہ) سات حصّوں میں تقسیم کیا گیا تھا، ہر حصہ ایک اقلیم تھا] مراد ہے ساری دُنیا۔

ھَل اَتیٰ؛ دیکھیے ضمیمۂ تشریحات، شعر ۴۲۲۔

ہلاک (۱۱۷۴)؛ مضمحل، تھکا ہوا۔ [دل جب بہت ہلاک ہوا؛ مطلب یہ ہے کہ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

9:00
rekhta.org/ebooks/masnaw
مثنویات شوق

جب ساری رات سوچتے رہنے اور
اضطراب سے وہ بہت نڈھال ہوگئی]۔

ہماری بجھتی کھائے (۲۸۹) : مراد ہے،
ہماری موت چاہے، ہمیں مرا ہوا دیکھے۔
کسی کو کسی کام سے روکنے کے لیے
عورتیں اِس طرح کی قسم دیتی ہیں،
اُس کام سے منع کرتی ہیں۔ دیکھیے،
بجھتی۔

ہماہمیں (۱۰۱۹) : زبردستی۔

ہم سَر (۱۲۶۳) : برابر کا، برابر والا۔

ہم صورتوں (۱۰۱۸، ۱۱۱۱) : ہم صورت کی
جمع — ہم صورت : ساتھ والے، ہم عمر،
گھر کے لوگ۔ [شعر ۱۱۱۱ میں یہ آخری
معنی میں آیا ہے]۔

ہم کو پیٹے (۸۷۱) : دیکھیے، پیٹنا۔

ہم نشیں (۶۰) : احباب، ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والے

ہوائی چُھٹنا (۱۷۹۳) : دیکھیے، چہرے پر
ہوائی چُھٹ رہی ہے۔

ہوتیاں ہیں (۹۲۴) : ہوتی ہیں۔

ہُوتے سوتوں (۸۱۹، ۷۲۸) : ہُوتے
سُوتے، رشتے دار جو زندہ ہوں یا
مرگئے ہوں۔

ہوگئے (۱۰۳۹) : ختم ہوگئے، مٹ گئے۔

ہَول (۸۸۱) : گھبراہٹ، اِضطراب۔

ہَول آنا (۹۹۷) : ڈرنا، دہشت سما جانا۔

ہَول جَول (۸۶۹) : گھبراہٹ، جلدی۔
ہَول جَول مچانا، جلدی کرنا، اِس طرح
جلدی مچانا کہ دوسرا گھبرا جائے۔

ہَول کھاتی ہوئی (۱۱۵۲، ۱۱۵۸) : گھبرائی
ہوئی، دہشت زدہ، کسی اندیشے کے
سبب آپ ہی آپ ڈرتی ہوئی۔

ہَولیں کھاتی ہیں (۱۳۱۷) : گھبرا رہی ہیں۔

ہَیکل (۲۷۷) : گردن سے ناف تک لٹکتا
ہوا لڑی کی وضع کا زیور [فرہنگِ
اصطلاحاتِ پیشہ وراں]۔ ایک زیور کا
نام جو گلے میں بدھی کی طرح پہنا جاتا
ہے (نوَر)۔ [آڑی ترچھی — آڑی
ہَیکل، بدھی کی طرح پہننے والا ہار]۔

ہَیُولا (۸۷۷) : وہ شخص جس میں آدمیت
نہ ہو، غیر مہذب، بے ڈول شخص۔

یادش بہ خَیر (۲۸) : کسی شخص [وغیرہ]
کا نام لیتے ہیں، اُسے یاد کرتے ہیں،
تو بہ طورِ دُعا یہ کلمہ زبان پر لاتے ہیں،
یعنی وہ ہر بلا سے محفوظ ہے۔ اچھے
لفظوں میں یاد کرنے کا ایک انداز۔

یارا (۱۳۲۹) : طاقت۔

412
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

9:00
rekhta.org/ebooks/masnaw

یاس : نا اُمیدی۔

یوسف لِقا (۴۴۲) : یوسفؑ کی طرح شکل صورت والا۔ مراد ہے بہت خوب صورت۔

یہاں دَم نہ چلے گا (۴۰۱) : دیکھیے : دم نہ چلے گا۔

یہ نَوبت ہوئی (۳۳۶) : یہ حالت ہوگئی، یہ عالم ہوگیا۔ اب ہم کو اتنا حقیر سمجھ لیا گیا۔ ["نوبت" اور "بجا" میں ضلع کی نسبت ہے]۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

9:00
rekhta.org/ebooks/masnaw
3
مثنویات شوق
rekhta
414
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

9:00
rekhta.org/ebooks/masnaw
3
مثنویات شوق

ISBN-81-7160-095-6

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner